Scanned by CamScanner

اس کتاب کی سافٹ کاپی ہماری مادر علمی

کے نام

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد

ہم نے ایک سلسلہ شروع کیا جس کو اب تک دو سال ہو چکے ہیں جس میں ہم نے مختلف کتب کو سافٹ میں منتقل کیا اور اس کے ساتھ ساتھ ریختہ کی قابل تعریف ویب سائٹ سے بھی کتب کو پی ڈی ایف میں منتقل کیا، ہماری ہمیشہ سے کوشش رہی ہے کہ دوستو کے لیے نایاب واہم کتابوں کو سافٹ میں پیش کیا جائے۔

Scanned by CamScanner

ہماراواٹس ایپ گروپ جس کے منتظمین کے نمبر زیل میں ہیں

آپ ہمارے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں تا کہ مزید اس طرح کی شان دار کتب تک آپ کی رسائی ہو سکے

ہمارے واٹس ایپ گروپ میں شامل ہونے کے لیے

محمد ذولقرنین حیدر03123050300

پروفیسر سدرہ ریاض صاحبہ03340120123

محمد ثاقب ریاض03447227224

Scanned by CamScanner

نائن الیون کے اُردو افسانے پر اثرات

......مصنف......

محمد ساجد

...........ناشر...........

ندائے گل پبلی کیشنز لاہور۔

Scanned by CamScanner

انتساب!

بچپن میں بھولی بسری

لوک کہانیاں سنانے والے

دادا ابو سردار محمد قصوری

دادی اماں بشیراں سردار

اور

نانا ابو غلام رسول سنیارا

نانی اماں حمیداں بی بی

کے نام

Scanned by CamScanner

اظہار تشکر

محترم ڈاکٹر ضیاء الحسن صاحب (پروفیسر اردو، پنجاب یونیورسٹی لاہور)

محترم ڈاکٹر ناصر عباس نیر صاحب (ڈائریکٹر اردو سائنس بورڈ)

محترم پروفیسر رشید احمد بھٹی صاحب (گورنمنٹ کالج مصطفیٰ آباد قصور)

محترم چوہدری امین سندھو صاحب (ڈی ڈی ای او، قصور)

محترم محمد شاہد انجم صاحب (ڈپٹی ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول علی رضا آباد لاہور)

محترم عظمت اللہ عظمت صاحب (صدر بلھے شاہ علیہ الرحمۃ ایسوسی ایشن انٹرنیشنل قصور)

محترم ڈاکٹر ریاض انجم صاحب (محقق، ادیب، تاریخ دان)

محترم ڈاکٹر سرور جوئیہ صاحب (استاد شعبہ پنجابی اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور)

محترم قاری ساجد نعیم صاحب (چیف ایڈیٹر ندائے گل لاہور)

محترم نصیر اسلم شیرازی صاحب (سیاسی و سماجی کارکن)

اور

عزیز شاگردان، عظیم جوگی۔ رضوان بلوچ۔ رمضان جگر۔ احسان ثانی۔

Scanned by CamScanner

فہرست

Scanned by CamScanner

باب نمبر 1

نائن الیون کا واقعہ

(حقائق پر ایک نظر)

(ا) نائن الیون کا مغربی بیانیہ

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء ایسا ہی دن ہے۔ جس نے دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ اس حادثے کی صورت حال کو سمجھنے کے لیے نائن الیون کے واقعہ کو دو حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ پر آنے والی اس آفت کا سارا ملبہ مسلمانوں پر ڈال دیا گیا تھا اور مسلم کمیونٹی کو لفظ ''دہشت گرد'' سے نوازا گیا۔ جب کہ مسلمانوں نے اس کو ''جہاد'' سے تعبیر کیا۔ اس لیے دو متضاد اصطلاحوں کو ایک تحقیقی نقطہء نظر سے دیکھنا ضروری ہو گیا ہے۔

امریکہ کے مقامی وقت صبح ۸ بج کر ۴۵ منٹ پر دنیا کے معروف ترین شہر کی مشہور ترین بلڈنگ ورلڈ ٹریڈ سنٹر جو اپنی ایک سو دس منزلہ عمارت کے ساتھ نیویارک کی شناخت اور امریکہ کے تکبر و رعونت کی نشانی بن کر ایستادہ ہے۔ جہاں روز و شب ۵۰ ہزار مرد و زن اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں۔

مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے پر شکوہ مظہر نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں گہما گہمی شروع ہو چکی ہے۔ ہزار ہا کارکن اس کے جڑواں ٹاورز میں خوش و خرم دن کا آغاز کر چکے ہیں۔ اچانک ایک جہاز عمارت کے ایک حصہ سے آ کر ٹکراتا ہے۔ اور اس کی دس منزلیں ملبے کا ڈھیر بن کر نیچے آ گرتی ہیں۔

ابھی کوئی سنبھل نہیں پاتا کہ ٹھیک ۱۸ منٹ بعد (وقت ۹:۰۳) ایک دوسرا جہاز ٹاور کے دوسرے حصے سے ٹکراتا ہے۔ اور اس کے انہدام کا خوف ناک عمل شروع

Scanned by CamScanner

ہو جاتا ہے۔

حملہ کیسے ہوا

منگل ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو صبح ۸ بج کر ۴۵ منٹ پر حملے کا آغاز ہوا۔ ۴ جہاز اغوا کئے گئے۔ جن میں ۲۵۵ مسافر سوار تھے۔ جب کہ ہائی جیکروں کی تعداد ۱۹ تھی۔ اس وقت امریکہ کی فضا میں ساڑھے آٹھ ہزار جہاز پرواز کر رہے تھے۔ چاروں جہاز اغوا کاروں نے امریکہ کی ایسٹ کوسٹ سے اغوا کئے۔ دو جہاز بوسٹن سے اغوا ہوئے چھ ہائی جیک کیے گئے جہازوں کی منزل کیلیفورنیا تھی۔

امریکہ ایئر لائنز کی فلائٹ نمبر ۱۱ نے ۷ بج کر ۵۹ منٹ پر بوسٹن سے لاس اینجلس کے لئے اڑان بھری۔ اس میں ۸۱ مسافر اور عملے کے ۱۱ ارکان سوار تھے۔ یہ پرواز ۸ بج کر ۴۵ منٹ پر ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے نارتھ شمالی ٹاور سے ٹکرائی۔

یونائیٹڈ ایئر لائن کی پرواز ۱۷۵ نے بوسٹن ایئر پورٹ سے ۷ بج کر ۵۸ منٹ پر اپنی اڑان بھری۔ اس میں ۵۶ مسافر اور عملے کے ۹ ارکان سوار تھے۔ اور یہ فلائٹ لاس اینجلس کی طرف جا رہی تھی۔

یہ پرواز بوسٹن کے ''لوگن'' ایئر پورٹ کے ٹرمینل نمبر ۲۶ سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئی تھی۔ جس میں دو عربی بھی سوار تھے۔ ایک فسٹ کلاس میں سیٹ نمبر ۱ ''بی'' پر اور دوسرا اکانومی کلاس میں بیٹھا تھا۔ اس جہاز میں ۵ چاقو بردار سوار تھے۔ جنہوں نے چاقوؤں کے بل پر جہاز کے عملے پر قابو پالیا۔ فسٹ کلاس کے مسافر کا نام ''الھور'' بتایا جاتا ہے۔ جس کا تعلق سعودی عرب سے تھا۔ یہ جہاز ۹ بج کر ۳ منٹ پر ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے جنوبی

Scanned by CamScanner

ٹاور سے ٹکرایا۔ ایک جہاز واشنگٹن میں امریکی محکمہ دفاع کی عمارت پینٹا گون کے ساتھ ٹکرا کرتباہ ہوا جب کہ ایک جہاز پنسلوانیا میں گر کر تباہ ہو گیا۔

ایف بی آئی کے مطابق ہائی جیکرز کی تعداد ۱۹ تھی جن میں ۷ باقاعدہ پائلٹ تھے۔ اوران میں سے ۴ نے امریکہ میں تربیت حاصل کی تھی۔

"The morning of September 11, 2001. The Hijackers internationally crased two of the airlines into the World Trade Centre in New York city, resulting in the collaple of both buildings soon after and irrearable damage to near by building. The Hijackers crased a third air line into the Pantagon."(1)

نیو یارک۔ ایک شہر جو بدل گیا۔ اس شہر کی تباہی کے وقت ایسا محسوس ہوا۔ جیسے دو اونچے اونچے پربتوں میں الاؤ دہک رہا ہو۔

حشر کا سماں تھا۔ ایک بلڈنگ میں آگ کچھ یوں دکھائی دے رہی تھی۔ جیسے ایک لمبوترے چکور کیک میں سرخ نارنجی کریم کی فلنگ بچھا دی گئی ہو۔ دوسری دھوئیں کا غلاف اوڑھے مبہوت کھڑی تھی کہ دنیا کی سب سے طاقتور اور اہم عمارتوں کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیسے کیا؟ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ٹاورز برق رفتاری سے نیچے آنے

Scanned by CamScanner

لگے اور آتے آتے اس قدر نیچے آ گئے اور سفید گرد و غبار اور دھویں کے بادل ہر طرف چھا گئے۔ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ لوگوں کی چیخ پکار اور آہ و بکا سن کر لگتا تھا۔ جیسے فلم کا سین ہو حقیقت نہ ہو۔"

"بقول نیلم احمد بشیر"

"بعد میں ہالی وڈ کے ایک ڈائریکٹر نے یہ کہا کہ اگر ہالی وڈ بھی چاہتا تو اتنا پر فیکٹ تباہی کا پروگرام نہ سوچ سکتا، نہ لکھ سکتا اور نہ فلما سکتا تھا۔"(۲)

امریکی ٹی وی CNN نے "امریکہ انڈر اٹیک" کے عنوان سے رپورٹیں ٹیلی کاسٹ کیں۔ امریکہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ طیاروں کی پروازیں بند کرنا پڑی۔ وفاقی عمارتوں اور دفاتر کو خالی کرانا پڑا۔ تجزیہ کاروں نے نئے حملوں کا تعلق مشرق وسطیٰ کی صورت حال سے ہونے کا بھی امکان ظاہر کیا۔

نیویارک اور واشنگٹن میں ہولناک مناظر دیکھنے میں آئے۔ خوف زدہ لوگ پریشانی میں چیختے چلاتے اِدھر اُدھر بھاگتے رہے۔ امریکیوں کے لئے منگل کا دن انتہائی افسردہ رہا۔

۹/۱۱ تباہی کی لمحہ بہ لمحہ کہانی

۸:۴۵	صبح	پہلا طیارہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی شمالی ٹاور سے ٹکرایا۔ جس کے نتیجے میں عمارت میں آگ بھڑک اُٹھی۔
۹:۰۳	صبح	دوسرا طیارہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے جنوبی ٹاور سے ٹکرایا۔ جس کے بعد پوری عمارت شعلوں کی زد میں آ گئی۔

Scanned by CamScanner

۹:۲۱	صبح	نیویارک اتھارٹی نے نیویارک سٹی میں تمام پلوں اور سرنگوں کو بند کر دیا۔
۹:۳۰	صبح	صدر بش نے فلوریڈا میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کے ملک کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا۔
۹:۴۰	صبح	امریکی تاریخ میں پہلی بار تمام ایئر پورٹس بند کر دیں گئیں۔ طیاروں کی آمدورفت بند کر دی گئی۔
۹:۴۳	صبح	تیسرا طیارہ پینٹا گون ایک عمارت سے ٹکرا گیا۔
۹:۴۵	صبح	وائٹ ہاؤس کو خالی کرا لیا گیا۔
۱۰:۰۵	صبح	ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا جنوبی ٹاور منہدم ہو گیا۔
۱۰:۱۰	صبح	پینٹا گون کا ایک حصہ گر گیا۔
۱۰:۱۳	صبح	نیویارک میں اقوام متحدہ کی عمارت خالی کرا لی گئی۔
۱۰:۲۸	صبح	ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا شمالی ٹاور منہدم ہو گیا۔
۱۱:۰۲	صبح	نیویارک کے میئر نے کہا شہری اپنے گھروں میں رہیں۔
۱۱:۲۶	صبح	یونائیٹڈ ائیر لائن نے اطلاع دی کہ ایک مسافر طیارہ گر کر تباہ ہو گیا ہے۔ (۳)

Scanned by CamScanner

تباہ ہونے والا ورلڈ ٹریڈ سنٹر

ایک طائرانہ نظر میں

منزلیں ۱۱۰

ورلڈ ٹریڈ سنٹر ایک ہزار تین سو مربع میٹر حجم پر محیط تھا۔ یہ ۴۱۱ میٹر اونچی بلڈنگ تھی۔ عمارت ۶۴ مربع میٹر پر پھیلی ہوئی تھی۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا تجارتی مرکز تھا۔ عمارت میں ۲۱ ہزار ۸ سو بڑے شیشوں والی کھڑکیاں اور ۱۰۰ لفٹیں لگی ہوئی تھیں۔ عمارت میں ۵۰ ہزار افراد کام کرتے تھے۔ اس کے ۱۰۷ فلور تھے۔ دو مرکزی نمائش ہال، جو اس قدر بڑے تھے۔ کہ ان میں پندرہ فٹ بال سٹیڈیم سما جائیں۔ اس میں سوا سو سے زائد قسم کے دفاتر اور تقریباً ڈیڑھ ہزار شاپس اس کے علاوہ اکاؤنٹنگ اور آڈٹ بک شاپس کی تعداد ۲۱۸۷ تھی۔

ہوٹل اینڈ موبائلز۔	۷۰۱۱	جیولری سٹور	۵۹۴۴
شراب کی دکانیں	۵۹۲۱	عدالتیں	۹۲۱۱
ٹیلی کمیونیکیشن	۵۰۸۸ (۴)		

امریکی میڈیا کا کردار

۵۴ امریکی ٹی وی چینل مسلسل اس سانحے کو براہ راست نشر کر رہے تھے۔ اور صورت حال واضح نہ ہونے پر اسامہ بن لادن اور فلسطین کی جہادی تنظیموں کو ان دھماکوں کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ امریکی میڈیا کے کردار کی وجہ سے امریکا کی عوام کا غصہ پھٹ کر جنگی جنون میں تبدیل ہو رہا تھا۔ امریکیوں کی کثیر تعداد ان دھماکوں کا ذمہ دار مسلمانوں کی جہادی تنظیموں کو ٹھہرا رہی تھی۔

Scanned by CamScanner

اس ضمن میں نیلم احمد بشیر رقمطراز ہیں۔

''امریکن میڈیا کو تو اللہ موقع دے۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے حادثے کو ہمہ وقت فوکس کر کے ناظرین کی توجہ کو خوب خوب قابو کیا۔ خبریں، قیاس آرائیاں، تبصرے، مذاکرے، لعن طعن، الزام تراشیاں ایک رونق سی لگ گئی میڈیا بازار میں، میڈیا سامعین، ناظرین، قارئین کو جو کچھ بتا رہا تھا وہی سچ، باقی سب جھوٹ تھا۔ سب کو اس پر یقین تھا اور وہی سب کا ایمان تھا۔''(۵)

امریکی میڈیا نے ساری دنیا کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی اور سچ، جھوٹ، ظلم و عدل کا فیصلہ ٹی۔ وی سکرینوں پر ہی کیا جانے لگا گویا:

یہیں سے اُٹھے گا شور محشر
یہیں پہ یومِ حساب ہو گا

نیویارک کے میئر کی پریس کانفرنس

نیویارک کے میئر جولیانی نے اپنی پریس کانفرنس کی تقریر میں اطالوی شاعر دانتے کی کلاسیکی نظم ''Divine Comedy'' کا حوالہ دیا۔ جس میں قیامت اور دوزخ کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ انہوں نے سانحہ نیویارک کو قیامت اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی

Scanned by CamScanner

آگ کو دوزخ کی دہکتی آگ سے مشابہ قرار دیا۔

اس نظم میں دانتے اپنے ساتھی ورجل کے ساتھ دوزخ کی سیر کرتے ہوئے مختلف مقامات آہ وفغاں سے گزرتا ہے وہ ''City of grief'' دکھ کے شہر کی زمین پہ خوف وکرب سے بگڑے لوگوں کو دیکھتا ہے۔ جن کا تعلق دنیا کے ہر ملک اور مذہب سے ہے دانتے کہتا ہے۔

"All those who perish in the
wrath of God. Here meet
together out of every
land"(6)

عجیب بات تھی کہ دانتے کی نظم کی طرح یہاں بھی اس سانحہ اور اس آفت میں اکٹھے ہونے والے لوگوں کا تعلق دنیا کے ہر ملک اور مذہب سے تھا۔

نائن الیون کمیشن رپورٹ

امریکی صدر جارج ڈبلیو بش اور کانگریس کی درخواست پر 26 نومبر 2002 کو نائن الیون حملے کی تحقیقات کے سلسلے میں ایک کمیشن قائم کیا گیا تا کہ نائن الیون کے اصل محرکات کو جانا جا سکے کمیشن کے چیئرمین تھامس ایچ کین اور وائس چیئرمین لی ایچ ہملٹن تھے اس کے علاوہ اس کمیشن میں آٹھ ارکان شامل تھے اور ان کے سٹاف ممبران کی تعداد اکیاسی تھی۔ کمیشن نے سانحہ کے چار سو اکتالیس دن کے بعد 22 جولائی 2004 کو ایک کتاب کی شکل میں اپنی رپورٹ پیش کی یہ رپورٹ پانچ سو پچاسی صفحات پر مشتمل تھی اور اس کے تیرہ ابواب

Scanned by CamScanner

تھے۔کمیشن نے رپورٹ کی تیاری کی سلسلے میں دس مما لک کے تقریباً بارہ سوافراد سے تفتیش کی جبکہ دستاویزات کی صورت میں چھ لاکھ صفحات کا مطالعہ کیا۔

رپورٹ کے مطابق 11 ستمبر 2001 کو امریکہ پر کیے گئے حملوں کی ذمہ دار القاعدہ تنظیم تھی کمیشن نے حملوں کی براہ راست ذمہ داری کل چھبیس افراد پر عائد کی ان میں انیس افراد ہائی جیکر تھی جنہوں نے براہ راست کارروائی میں حصہ لیا یہ تمام افراد 11 ستمبر کی صبح ہائی جیک کیے گئے چار مختلف جہازوں میں سوار تھے جبکہ باقی سات افراد نے باہر بیٹھ کر ان معاونت کی انیس ہائی جیکر میں سے پندرہ کا تعلق سعودی عرب سے دو کا متحدہ عرب عمارات سے ایک کا مصر سے اور ایک کا تعلق لبنان سے تھا۔ہر جہاز میں پانچ پانچ جبکہ فلائیٹ نمبر 93 میں چار ہائی جیکر سوار تھے۔نائن الیون کمیشن کے مطابق ان افراد نے اسامہ بن لادن ،خالد شیخ محمد،رمزی بن الشیبی ،سید بہاجی، محمد حید زمار،ابو زبیدہ،زکریا الصبار اور زکریا موساوی شامل تھے۔

نائن الیون کمیشن نے نائن الیون کی منصوبہ بندی اور پس منظر کے بارے میں اپنی رپورٹ میں لکھا کہ نائن الیون حملوں کی منصوبہ بندی 1999 کو افغانستان میں کی گئی تھی ان حملوں کا ماسٹر مائنڈ خالد شیخ محمد اور اسامہ بن لادن کو قرار دیا گیا۔

(۲) نائن الیون کا مسلم بیانیہ

جہاد

جہاد کے لغوی معنی محنت اور کوشش کے ہیں ۔اسلام میں اس کا مفہوم کچھ یوں

Scanned by CamScanner

ہے۔ ’’حق کی سربلندی، اس کی اشاعت وحفاظت کے لیے ہر قسم کی کوشش، قربانی اور ایثار کرنا اپنی تمام مالی، جسمانی اور دماغی قوتوں کو اللہ کی راہ میں صرف کرنا ہے۔

عربی زبان کی مشہور کتاب لسان العرب کے مؤلف ابن منظور فرماتے ہیں:

’’جہاد کے معنی قتال کرنا ہے حدیث شریف میں ہے کہ
فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد کرنا ہے۔ اور
نیت کرنی ہے اور جہاد دشمنوں سے جنگ کرنے کا نام
ہے اس کام کے لیے مکمل کوشش کرنے کو کہتے ہیں خواہ
قول سے ہو یا فعل سے‘‘

علامہ ابن رشدی لکھتے ہیں کہ:

’’جہاد فی سبیل اللہ کا لفظ جب مطلق ہوگا تو صرف
کافروں سے تلوار کے ساتھ لڑائی کرنے کا معنی دے گا
یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا ذلیل ہو کر جزیہ
دینے لگ جائیں‘‘۔

جہاد ایک منظم کوشش کا نام ہے۔ اور اسلام میں اس کے واضح اصول وضوابط ہیں۔ بغیر کسی ناظم یا امیر کے کوئی شخص یا گروہ اپنی مرضی سے مسلح جدوجہد شروع کر دے تو اسے جہاد قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جہاد کے لیے ضروری ہے کہ ایک اسلامی ریاست کی طرف سے باقاعدہ اس کا حکم دیا گیا ہو۔ علماء ومجتہدین کے ارادوں نے حالات وواقعات اور اسباب کا بے لاگ جائزہ لے کر اس کے ارکان اور ضرورت کا فیصلہ دیا ہو۔ اس کا مقصد مظلوم مسلمانوں کی امداد کرنا، اشاعتِ اسلام کے راستے کی رکاوٹوں اور فتنوں کو دور کرنا اور

Scanned by CamScanner

رضائے الٰہی کا حصول ہو۔ جہاد کا مفہوم واضح ہے۔ بعض علماء کی رائے میں جہاد کی سب سے اعلیٰ قسم خود اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا ہے اور اسے ''جہاد اکبر'' قرار دے گیا ہے۔

دہشت گردی اور مزاحمت کی تعبیریں

اگر ہم نائن الیون کے تناظر میں دیکھیں تو چند انتہا پسند مسلمانوں کا جہاز اغوا کرنا، ان کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرانا اور اس کو تباہ و برباد کرنے کر بعد ''اُسامہ بن لادن'' مع ان کے ساتھیوں کا اعلان کرنا۔ کہ یہ تباہی ہم نے مچائی ہے۔ امریکہ کے خلاف اعلانِ جنگ کرنا نیز جشن منانا۔ اس کو ہم جہاد نہیں کہہ سکتے۔

کیونکہ اس وقت تک امریکہ نے کسی مسلمان ملک پر حملہ نہیں کیا تھا۔ جو ہم بطور مسلمان اس کے خلاف کسی بھی طرح کا ردِعمل کرتے۔ پہلے پہل تو اُسامہ کو ہیرو کہا گیا۔ مگر جب امریکہ اور دنیا کی دوسری سپر پاورز نے میدانِ کارزار میں قدم رکھا تو ہر طرف خاموشی چھا گئی۔

امریکہ نے اُسامہ اور اس کے ساتھیوں کے خلاف اعلان جہاد کو دہشت گردی کہا اور ان کے ٹھکانوں پر اپنی وارننگ کے بعد چڑھ دوڑا جو اس نے افغانستان کے سربراہ ملا عمر کو دی تھی۔ یہ تمام گفتگو اور حقائق جو بیان کیے گئیے ان دے ریکارڈ ہیں تمام اخبارات اور دنیا جہاں کی نائن الیون کے متعلق کتابیں ان حالات و واقعات سے متعلقہ بھری پڑی ہیں۔

افغانستان کو پتھر کے زمانہ میں پہنچانے کے بعد بھپرے ہوئے ہاتھی نے عراق کا رخ کیا اور صد افسوس کہ اس کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ساری دنیا سہم گئی۔ جشن منانے والے غاروں میں چھپ گئے اور غریب مسلمانوں کو مرنے کے لیے چھوڑ دیا مزاحمت کی نئی تحریکیں شروع ہو گئیں ہیں حقائق سب کے سامنے ہیں اور ذی شعور کے لیے پردہ پوشی ٹھیک نہیں کیونکہ حقائق سچ بولتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

نائن الیون کے دیگر بیانیے

نائن الیون کا واقعہ اور پاکستان کا کردار

پاکستان وہ اسلامی ملک تھا۔جس نے سب سے پہلے طالبان حکومت کو تسلیم کیا۔

نائن الیون کے حملوں کے فوراً بعد جب میڈیا کی توپوں کا رخ اسامہ بن لادن کے خلاف ہوا۔جو اس وقت افغانستان میں موجود تھا۔تو پاکستان کو ڈپلومیٹک انداز سے دباؤ میں لانے کے حربے بھی شامل ہو گئے۔۱۳ستمبر کو امریکی سفیر وینڈی جے چمبرلین نے جنرل پرویز مشرف سے ملاقات کی اور صدر بش کا پیغام پہنچایا۔کہ وہ طالبان یا امریکہ میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیں۔یہ بالکل واضح پیغام تھا جو حکومت پاکستان کو پہنچایا گیا۔

اس ضمن میں صدر پرویز مشرف نے اپنی کتاب ''سب سے پہلے پاکستان'' میں لکھا:

''اگلے دن جب میں اسلام آباد میں تھا تو DGisi کا فون آیا۔جو اس وقت واشنگٹن م تھا۔انہوں نے مجھے رچرڈ آرمیٹیج کے ساتھ ملاقات کے بارے میں بتایا.................

اور ڈی جی سے کہا کہ'' نہ صرف ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم امریکہ کے ساتھ ہیں دہشتگردوں کے۔اگر ہم نے دہشت گردوں کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تو وہ بمباری کر کے ہمیں پتھر کے دور میں واپس بھیج دیں گے۔''(۷)

پاکستان کو پیش معاملہ کی پیچیدگی میں امریکہ کے دورے پر ڈی جی آئی ایس آئی محمود احمد کی عدم موجودگی بھی شامل تھی۔آئی ایس آئی کے سربراہ کی حیثیت سے جنرل محمود احمد کا کردار انتہائی اہم نوعیت کا تھا۔کیونکہ یہ خفیہ ایجنسی افغانستان میں اپنے اثر ورسوخ کی

Scanned by CamScanner

وجہ سے مشہور تھی۔ اس کے علاوہ مغربی انٹیلی جنس ایجنسیاں بھی اس بات پر متفق تھیں۔ کہ افغانستان اور طالبان کے بارے میں تمام خفیہ معلومات تک صرف آئی ایس آئی کو مکمل رسائی حاصل ہے۔ دوسری طرف بھارت اپنی سرزمین اور وسائل امریکہ کے تعاون کے لئے پیش کرر ہا تھا۔ اور بھارتی لابی اس کوشش میں تھی کہ پاکستان کو دہشت گردوں کا معاون اور ہمدرد قرار دے کر طالبان کی صف میں لا کھڑا کرے۔ معاشی طور پر پاکستان کمزور بھی تھا۔ اور مقروض بھی چنانچہ صدر جنرل پرویز مشرف نے امریکہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگایا۔ امریکہ نے دہشت گردی کی اس جنگ میں پاکستان کو فرنٹ لائن اسٹیٹ قرار دیا اور افغانستان پر حملہ کر دیا۔

افغانستان ـــــ امریکہ جنگ

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے

امریکہ نے ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو وسیع پیمانے پر ہوائی بمباری شروع کی اور ساتھ ہی شمالی اتحاد کی مدد سے زمینی حملہ کیا۔ تھوڑے دن باقاعدہ مزاحمت کرنے کے بعد طالبان کے کمانڈو دیہی علاقوں اور پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ جہاں وہ گوریلا جنگ کے ماہر تھے۔ طالبان کا آخری محاصرہ جو مزار شریف کے مضافات میں تھا اپنے خون آلود انجام کو پہنچا۔ کیا افغانستان کی اس جنگ کے لیے ایسا ہی لمحہ شناخت فراہم کریگا۔ لاشوں کے انبار میں راستہ بنانے والے امدادی کارکن اور سیکٹروں طالبان قیدی، جو امریکی بم باری اور شمالی اتحاد کی افواج کی درندگی کے نتیجے میں مارے گئے۔ ان کی تصویروں سے ساری دنیا

Scanned by CamScanner

میں خوف اور کراہت کی لہر دوڑ گئی۔ امریکہ نے ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء سے لے کر ۱۲ نومبر ۲۰۰۱ء تک افغانستان میں ۹۰ ہزار بے گناہ مسلمان مرد عورتیں اور بچے شہید کئے۔ مگر ان افسوسناک ہلاکتوں کو وزیر دفاع رمزفیلڈ نے اظہار افسوس کے بجائے جائز قرار دیا۔ اس کے بعد یقینی بات ہے کہ افغانستان میں مظالم کا سلسلہ رو کا نہیں بلکہ جاری رہا۔

امریکی کمانڈوز نے افغان جنگ میں قیدیوں کی زبانیں کاٹیں، سر کے بال اکھاڑے اور زخموں پر تیزاب ڈالا، لاشوں کو بموں سے اڑایا۔ شادی کی تقریبات پر بم باری کی۔ آبادی والے علاقوں پر بمباری کر کے بے گناہ شہریوں کے گھروں کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ اور معصوم کم سن بچوں کو بمباری سے شہید کر کے یہ دعویٰ کیا کہ یہ دہشت گرد لوگ تھے۔ اور ان کا قتل جائز ہے۔

طالبان کی اچانک پسپائی کی دو ممکنہ وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ مسلسل حملوں کے باعث تباہ ہو گئے اور دوسری وجہ امریکی فوج کو گوریلا جنگ میں گھسیٹ لانے کی تھی جس میں جدید ہتھیار بے کار ثابت ہوتے ہیں۔

ABDULLAH ATEEQ

عراق ــــ امریکہ جنگ

بغداد کے لئے یہ ایک ہزار ایک ویں رات ہے۔ داستان کے چند آخری گھنٹے۔

صبح سویرے اقوام متحدہ کے اسلحہ انسپکٹروں کی واپسی کے بعد صدام حسین نے اپنے بیٹے اقصیٰ حسین کو خلفائے راشدین کے شہر بغداد پر امریکی جارحیت روکنے کے لئے سربراہ مقرر کر دیا ہے۔ (۸)

Scanned by CamScanner

لیکن یہ بات ورطہء حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ جس قوم پر حملہ ہونے والا ہے۔ اس کے فوجی جوانوں نے خود کو غیر مسلح کرنے کا کام جاری رکھا ہے۔ جون ۲۰۰۳ء کے مہینہ میں امریکہ نے بے کس عوام پر بموں کی بارش کردی۔ اور شہروں کو کھنڈرات میں تبدیل کردیا اتحادی افواج نے عراق پر ۱۱۰۰ سے ۲۲۰۰ ٹن یورینیم بم برسائے۔ بمباری کے ساتھ ساتھ عراق میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی فوجوں نے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کرنے اور شہری عمارتوں کو مسمار کرنے سے لے کر شہریوں کا قتل عام کرنے، بچوں اور عورتوں کی عصمت دری جس وسیع پیمانے پر کی اس کی نظیر قدیم و جدید تہذیب میں نہیں ملتی۔ عراق امریکہ جنگ میں ۳۰ دسمبر ۲۰۰۳ء کی رپورٹ کے مطابق ۶۰ ہزار سے زائد عراقی شہید ہوئے اور ۴۰ ہزار سے زائد خواتین متاثر ہوئیں۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ وہ اپنے وطن کی مٹی پر اجنبی بن کر زندگی کے باقی دن پورے کرنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کا کوئی مددگار اور پاسبان نہیں جو انہیں سہارا دے سکے۔

عراق میں موجود حقوق انسانی کی تنظیم کے مطابق امریکی فوجی درندوں نے ۶ ہزار عراقی خواتین کی عزت لوٹی۔ عراقی شہریوں سے اربوں ڈالر سے زائد کی رقم ہتھیالی۔ ۶۰۰۰ ہزار سے زائد عراقیوں کو اغوا کیا گیا۔ اور کم عمر ۱۵۵۰ عراقی بچیوں کی عزت پامال کی گئی۔

Scanned by CamScanner

﴿حقائق سچ بولتے ہیں﴾

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کو نیویارک میں ٹوئن ٹاورز پر جو حملہ ہوا اس کے بارے میں کی گئی تحقیق منظر عام پر آ چکی ہے۔ اور دنیا اصل حقائق کو جان چکی ہے۔

چھ سال پہلے آج کے روز مین ہیٹن نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے ٹوئن ٹاورز پر دہشت گردوں کا حملہ جہاں انسانی تاریخ کی سب سے بڑی معیشت، سب سے بڑی جنگی طاقت اور دنیا کی اکلوتی سپر پاور کی اہلیت، طاقت اور صلاحیت کو ایکسپوز کرتا ہے۔ وہاں عالمی حالات اور تناظر کو بھی ''گیارہ ستمبر سے پہلے'' اور ''گیارہ ستمبر کے بعد'' کے زمانوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ (۹)

طاقت کی اپنی نفسیات ہوتی ہے۔ وہ اپنے سامنے کسی دوسری طاقت یا متوقع طاقت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ جنگل کا بادشاہ شیر بوقت ضرورت اپنے بچوں میں نر بچوں کو کھا جاتا ہے۔ انسان کا معاملہ کچھ اس قسم کا ہے۔ وہ بھی کسی کو مدمقابل نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی قتل و غارت گری کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ زیادہ تر ایک ہی مذہب کے ماننے والوں کے درمیان حصول اقتدار یا اپنی طاقت سنوارنے کے لئے ہوئیں۔

اس وقت امریکہ عالم اسلام کو تہہ و بالا کرنے کی کوششوں میں مشغول ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صدر بش کی پشت پر بنیاد پرست عیسائیوں کی ایک بڑی لابی موجود ہے۔ خود بش بھی بنیاد پرست ہیں۔ لیکن اس جنگ کا اصل مقصد امریکہ کے دائرہ اثر کو پوری دنیا اور عالم اسلام تک پھیلانا ہے۔ دنیا بھر کے تجزیہ نگاروں نے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ امریکہ کا نشانہ عالم اسلام ہوگا جو بظاہر منتشر ہے۔ مگر وسائل

Scanned by CamScanner

سے مالا مال ہے۔ امریکہ کی نظر اس کے وسائل پر بھی تھی اور اس ''ٹوٹے ہوئے تارے'' کے ''مہ کامل'' بننے کا خدشہ بھی اسے لاحق تھا مگر پورے عالم اسلام پر ہاتھ ڈالنے کے لئے امریکی عوام کے سامنے ایک جواز پیش کرنا ضروری تھا کہ جمہوریت میں حاکم عوام کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ اور امریکی عوام جنگ وجدل کے حق میں نہیں ہیں۔ اس کے لئے امریکی عوام کا مشتعل ہونا ضروری تھا اور نائن الیون سے کم تر کوئی واقعہ اُنہیں مشتعل نہیں کرسکتا تھا، سو یہ سانحہ ہوا، پوری دنیا میں اس کی بازگشت سنائی دی اور امریکہ نے ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے سلوگن کے ساتھ عالم اسلام پر چڑھائی کر دی اور باقی دنیا کے ساتھ خود مسلمانوں نے بھی مان لیا کہ یہ کام مسلمانوں ہی کا ہے اور پھر یہ ''چند گمراہ مسلمانوں کا کام ہے'' اسلام امن کا مذہب ہے، دہشت گردوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ''قسم کے دفاعی بیانات سامنے آنا شروع ہو گئے مگر نائن الیون کے سانحہ سے لے کر آج تک اس سانحہ کے حوالے سے جن شکوک و شبہات کا اظہار ہوا، وہ سب شکوک وشبہات سامنے لانے والے خود اہل مغرب تھے۔ انہوں نے اس دہشت گردی کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی اور اپنی تحقیقات دنیا کے سامنے پیش کردیں۔

اس سلسلے کی تازہ ترین تحقیق امریکہ کی ریاست یوٹا میں واقع Brigham Young University کے فزکس کے پروفیسر ڈاکٹر اسٹیون جونس کے حوالے سے سامنے آئی ہے جن کا کہنا ہے کہ نائن الیون کی دہشت گردی خود امریکہ کی ہے۔ اور ڈاکٹر اسٹیون کو اس کا خمیازہ یہ بھگتنا پڑا ہے کہ انہیں جبری رخصت پر بھیج دیا گیا ہے۔

واشنگٹن سے نمائندہ جنگ نیئر زیدی کی ارسال کردہ رپورٹ کے مطابق ڈاکٹر اسٹیون کا کہنا ہے کہ ۱۱۰ منزلہ یہ عمارتیں صرف طیاروں کے ٹکرانے یا محض آگ لگنے سے مکمل طور پر نہیں بیٹھ سکتیں، ان کے مطابق یہ عمارتیں اندرونی دھماکوں سے گری تھیں، یہ دھماکہ خیز مواد بلڈنگ جوائنٹس میں رکھا جاتا ہے اور پھر وقفہ وقفہ کے ساتھ ریموٹ کنٹرول سے اڑا دیا جاتا ہے، اور اس طرح عمارت کا ملبہ اڑانے یا پھیلنے کی بجائے پوری عمارت چند سیکنڈز میں قالین کی طرح لپٹتی ہوئی بیٹھ جاتی ہے۔(۱۰)

ڈاکٹر اسٹیون نے ملبے سے حاصل شدہ مواد پر تحقیق کی تو اس میں Thermite پایا گیا اور یہ مواد فوج Detonations میں استعمال کرتی ہے ان کی یہ رپورٹ دس ہزار صفحات پر مشتمل ہے واضح رہے ڈاکٹر صاحب Cold Fusion کی ریسرچ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں اور انہوں نے نائن الیون کی سچائی کی جو تحریک شروع کر رکھی ہے اس میں ۷۵ دوسرے پروفیسرز اور اسکالرز بھی شامل ہیں۔

مگر یہ تو اہل مغرب کا رویہ ہے جو کسی بات کو ٹھوس سائنسی حقائق کی کسوٹی پر پرکھے بغیر نہیں مانتے جب کہ ہم لوگ ہر بات پر ''آمنا وصدقنا'' کہتے چلے جاتے ہیں، عراق پر حملے کا جو جواز بیان کیا گیا تھا، وہ غلط ثابت ہوا مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ غاروں میں رہنے والوں کے بارے میں کہا گیا کہ نائن الیون کا نازک ترین سائنسی آپریشن انہوں نے کیا ہے یہ دعویٰ چیلنج کیا گیا مگر اس سے بھی کیا فرق پڑتا ہے ہم تو نائن الیون کی سالگرہ سے چند روز پہلے ''القاعدہ'' کی طرف سے جاری ان ویڈیو کیسٹ کی حقیقت پر بھی ایمان لے آتے ہیں جس میں نائن الیون کی ذمہ داری انہوں نے خود پر

Scanned by CamScanner

لی ہوتی ہے اور امریکہ پر مزید حملوں کے ''عزم'' کا اظہار کیا گیا ہوتا ہے تا کہ امریکی
عوام خود کو محفوظ رکھنے کے لئے صدر کو فری ہینڈ دیں۔ سیاروں کے ذریعے کی جانے والی
مخبری کے باوجود یہ ویڈیو کون ریکارڈ کرتا ہے، کون ان سے حاصل کرتا ہے۔ اور کون ٹی
وی/ اسٹیشنوں تک پہنچاتا ہے، ہم اس کے بارے میں نہیں سوچتے اور نہ یہ سوچتے ہیں
کہ سائنسی کمالات کے ذریعے ان دنوں ہر قسم کی ویڈیوز تیار کی جاسکتی ہیں، میرے
خیال میں یہ کام بھی ڈاکٹر اسٹیون ہی کو کرنا چاہیئے، ہم امریکی دعوؤں کو کیسے چیلنج کر سکتے
ہیں۔ ہمارے لئے یہ کام بھی کوئی امریکی ہی کر سکتا ہے کہ تعمیر اور تخریب کی دونوں
صلاحیتیں امریکیوں ہی کو حاصل ہیں۔

☆☆☆☆☆

نائن الیون کا ڈراپ سین
ڈیتھ آف اسامہ بن لادن

یورپین اور امریکی میڈیا میں اسامہ بن لادن کو دہشت گردی کی علامت گردانا جاتا
ہے۔ تاریخ انسانی میں امریکہ کے عظیم ترین دشمن اسامہ کے جاں بحق ہونے کا دعویٰ یقیناً
موجودہ عہد کی ایک بہت بڑی خبر ہے۔

دو مئی 2011 اتوار اور پیر کی درمیانی شب رات ایک بجے بلال ٹاؤن ایبٹ
آباد میں پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول سے چار کلومیٹر کے فاصلے پر امریکی فوج کے ہیلی کاپٹر

Scanned by CamScanner

بردار خصوصی دستے نے ایک کشادہ اور قلعہ نما گھر میں قیام پذیر اسامہ بن لادن، ان کے بیٹے، ایک خاتون جیسے ان کی بیوی بتایا جاتا ہے اور دو محافظوں کو ہلاک کیا جبکہ دو خواتین اور چار نو عمر بچوں کا زخمی حالت میں گرفتار کر لیا۔ امریکی فورسز نے یہ آپریشن چالیس منٹ میں مکمل کیا اور اسامہ کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد امریکی فورسز ان کی میت کو سمندر میں کھڑے بحری جہاز میں لے گئی وہاں اسے غسل دیا گیا اور سفید کفن پہنایا گیا امریکی انتظامیہ نے سعودی عرب سے لاش وصول کرنے کی بات کی تو سعودی حکومت نے انکار کر دیا۔ جس کے بعد اسلامی رسومات کی ادائیگی کے بعد لاش کو سمندر برد کر دیا گیا۔

امریکی صدر اوباما نے میڈیا کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اسامہ کی ہلاکت امریکہ اور پاکستان کے لیے بڑی کامیابی ہے۔ یاد رہے کہ اسامہ بن لادن کو نائن الیون کے واقعہ کا سب سے بڑا مجرم قرار دیا گیا تھا۔ اس وقت کی اسلامک پسند جماعتوں نے اسامہ بن لادن کو ہیرو قرار دیا۔ مگر اس کی موت پر ایسی خاموشی اختیار کر لی کہ جیسے وہ واقعہ ہی مجرم ہو۔

ہوئے ہم جو مر کے رسوا، ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

☆☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

حوالہ جات

۱۔ w.w. wikipedia.org/september 11, 2001 attack pg.1

۲۔ نیلم احمد بشیر؛ ستمگر ستمبر، لاہور: الفیصل پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص ۴۷

۳۔ مرتضیٰ انجم؛ امریکہ ٹوٹ جائے گا، لاہور: فاتح پبلشرز ۲۰۰۱ء ص ۹۔۱۰۸

۴۔ طارق اسمعیل ساگر؛ اور امریکہ لرز اُٹھا، لاہور: ساگر پبلشرز ۲۰۰۱ء ص ۵۲

۵۔ نیلم احمد بشیر؛ ستمگر ستمبر (رپورتاژ)، لاہور: الفیصل پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص ۸۶

۶۔ محولہ بالا ص ۸۰

۷۔ پرویز مشرف؛ سب سے پہلے پاکستان، لاہور: فیروز سنز، ۲۰۰۶ء ص ۲۵۴

۸۔ شجاعت علی؛ میں بیکار طوفان آنے کی...... مشمولہ ادبی رسالہ دنیا زاد کراچی: شہرزاد، اکتوبر ۲۰۰۳ء ص ۴۳

۹۔ w.w.w jang com.pk sep 11, 2006.
کالم، گیارہ ستمبر سے پہلے، گیارہ ستمبر کے بعد۔ از منو بھائی۔

۱۰ w.w.w jang.net/editorial ospx.pk
کالم ”نائن الیون اور ڈاکٹر اسٹیون“ از عطاء الحق قاسمی۔

Scanned by CamScanner

باب نمبر 2

نائن الیون کے اردو افسانے پر اثرات

(تنقیدی جائزہ)

اردو افسانے کا اجمالی جائزہ

(آغاز تا نائن الیون)

کہانی کہنا، کہانی سننا اور کہانی بننا انسان کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ الاؤ کے گرد بیٹھ کر کہانی سننے کی ایک مضبوط روایت ہماری تہذیب اور ادب میں سے پہلے سے موجود تھی۔ کہانی نے ہبوطِ آدم کے ساتھ ہی باغ عدن سے زمین کے اُجاڑ ویرانوں تک سفر کیا اور ہمیشہ سے اس کے ساتھ چلی آتی ہے۔ اردو افسانے کا آغاز ۱۹۰۵ء کے لگ بھگ ہوا۔ ابتداء میں اس کے اوپر ہماری داستانِ روایت کے اثرات تھے۔

پریم چند کا افسانہ ''دنیا کا سب سے انمول رتن'' داستانی روایت کی نمائندگی کرتا ہے۔ انہوں نے اپنی تخلیقی جبلت کو محض قصہ سنانے کے لئے استعمال نہیں کیا بلکہ افسانے کے بطون میں مقصدیت کو بھی سمویا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ پریم چند کی اس تخلیقی کاوش نے اردو ادب کو ایک نئی صنف سے متعارف کرادیا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں برصغیر کے سیاسی فضا میں ایک مخصوص نوعیت کے تموج کے آثار پیدا ہوئے۔ بنگال کی تقسیم، پہلی اور دوسری جنگ عظیم نے اہل ہند کے جذبات میں انقلاب برپا کردیا۔ حب وطنی کے شدید جذبے نے غلامی کے احساس کو اُبھارا۔ اس دور میں جو تحریکیں میدانِ عمل میں آئیں انہوں نے انگریزوں کی غلامی سے

Scanned by CamScanner

نجات اور قدیم تہذیب کے احیاء کی کوشش کی۔ پریم چند نہ صرف ملک کی سیاسی کروٹوں اور سماجی تحریکوں سے متاثر تھے۔ بلکہ وہ ادب کے ذریعے سے آزادی کی تحریکیوں کو فروغ دینے کے بھی حامی تھے۔

اپنے دور کے اس غالب رجحان کی طرف اشارہ ''سوز وطن'' کے دیباچہ میں کچھ ان الفاظ میں کیا ہے۔

''ہمارے ملک میں ایسی کتابوں کی اشد ضرورت ہے۔ جو نئی نسل کے جگر پر حب وطنی کی عظمت کا نقشہ جمائیں۔''(۱)

پریم چند نچلے طبقے کی مفلوک الحال زندگی اور اس کی تاریکیاں جہاں روشنی کا دور دور تک نام ونشان نہیں۔ محنت ومشقت کے بعد بھی جن کی زندگی سنسان ویران ہے۔ اس درماندہ اور مظلوم طبقے کے لئے قلم اُٹھاتے نظر آتے ہیں۔

اس ضمن میں امرت رائے رقم طراز ہیں۔

''پریم چند کا تمام فکری سرمایہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ انھوں نے سماج کے سب سے درماندہ اور مظلوم طبقے پر غیر منصفانہ طبقاتی جبر کو تسلیم نہ کرنے کے لئے زندگی بھر جدوجہد کی۔''(۲)

وہ پہلے فن کار ہیں جنہوں نے ہندوستانی فضا اور ماحول کو ادب میں پیش کیا۔ پہلی بار کسانوں کی زندگی ان کے افسانوں میں منعکس ہوتی نظر آتی ہے۔ پریم چند نے اپنے تخلیق فن کو کسی ایک منزل پر زیادہ دیر نہیں روکا۔ بلکہ تخلیقی سفر میں مختلف نوع کے تجربات کرتے رہے۔ اور افسانے کو نئی راہوں سے آشنا کرتے رہے۔ انھوں نے افسانے کی پیش کش میں ماحول کو پوری اہمیت دی۔ حقیقی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے زمان ومکان میں

Scanned by CamScanner

ایک اٹوٹ رشتہ قائم کیا۔ جس کی وجہ سے افسانہ، داستان کے غیر فطری ماحول سے نکل کر زندگی کے حقیقی گوشوں کو چھونے لگا۔

اسی دور میں رومانوی تحریک فروغ پانے لگی تھی۔ یہ تخیلی یا رومانیت پرستی کا رجحان تھا۔ اس کے پروردہ سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری اور ل۔ احمد اکبر آبادی تھے۔

جب آسکر وائلڈ نے ادب برائے ادب کے نظریے کو فروغ دیا۔ تو اس کے اثرات برصغیر میں بھی وارد ہوئے۔ اور انگریزی افسانوں کے تراجم اردو میں کیے جانے لگے۔ جس نے اردو افسانے کو شدید متاثر کیا۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

"اردو افسانے کی روایت میں ایسی کوئی چیز نہیں ملتی جس کے باعث مختصر افسانہ فطری طور پر رائج ہوتا۔ اس کے بیج یہاں کے ادبی زمین میں نہیں پھوٹا بلکہ مغرب سے اس کا پودا لا کر لگایا گیا۔" (۳)

رومانوی افسانوں میں سجاد حیدر یلدرم کو اہمیت حاصل ہے۔ کہ انہوں نے عورت کے رومانی تصور کو اردو افسانوں میں نئے انداز میں پیش کیا اور رومانوی جذبات و خیالات کو ہی افسانہ کی حیات اور بقاء کے لیے موزوں جانا۔

بقول ڈاکٹر انور سدید:

"اردو افسانے نے ایک ایسی کروٹ لی جس کے تحت جذبہ سیلابی انداز میں بہہ نکلنے کے لئے بے تاب ہو گیا۔ اور حقیقت عمودی سمت میں سفر کرنے لگی۔" (۴)

سجاد حیدر یلدرم کے طرز فکر کی نمائندگی کرنے والوں میں نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھ پوری اور حجاب امتیاز علی پیش پیش تھے۔ ان کے افسانوں میں داخلی جذبہ تخیل کی

Scanned by CamScanner

لطافت میں لپٹا دکھائی دیتا ہے۔ ان افسانہ نگاروں نے زندگی کے حقائق میں پردہ پوشی کی اور اصل حقائق کو سامنے لانے سے گریز کیا۔ لیکن پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم اردو افسانے کے معمار ہیں۔ انہوں نے افسانے کو نئی راہوں سے آشنا کیا اور مختلف نوع کے افسانے تحریر کیے۔ اس ضمن میں سید احتشام حسین لکھتے ہیں:

''اردو کی یہ خوش قسمتی تھی کہ دو بہت اچھے فن کار اس کو ابتداء میں ہی مل گئے...... یہ فن کار پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم تھے...... اور ان دونوں نے اردو افسانے کو گھٹنوں پر چلنے سے بچا لیا اور اسے شروع میں ہی جوان بنا کر پیش کیا۔'' (۵)

ترقی پسند تحریک ادب کو زندگی اور عصر کے رواں منظر نامے کے مرکزی دھارے سے ملانے کی شائستہ تخلیقی اور حرکی قوت کا نام ہے۔ جس نے غلامانہ سوچوں کی قدیم اور بوسیدہ دیواروں کو مسمار کر کے ادب کو روشن فکر سے آشنا کیا۔ (۶)

۱۹۱۷ء میں روسی انقلاب نے یورپ کو ان گنت خطرات میں ڈال دیا۔ جس کے بعد مختلف ممالک میں سیاسی و ادبی تحریکیں چلیں۔ یہ لوگ پرانے اور فرسودہ نظام کی جگہ ایسا نظام لانا چاہتے تھے۔ جس میں فرد کے مقابلے میں ریاست کے پاس زیادہ اختیارات ہوں۔ ہندوستان کے ادیبوں اور دانشوروں نے فیصلہ کیا کہ اس نوع کی تحریک یہاں بھی شروع ہونی چاہیے۔ چناں چہ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۱ء کے درمیان برصغیر میں برطانوی سامراج سے نجات حاصل کرنے کے لئے تحریک عدم تعاون، تحریک خلافت اور نوجوانوں کی انقلابی تنظیمیں سرگرم ہوئیں۔

۱۹۲۹ء میں اقتصادی بحران نے دنیا کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا۔ فاشسٹ اور اشتراکی نظاموں کی باہمی کش مکش نے اقتصادی کساد بازاری اور ٹریڈ یونینز اور ہڑتالوں کی

Scanned by CamScanner

اس فضا میں دنیا دوسری جنگ عظیم کی طرف بڑھنے لگی۔ اس وقت تک اردو افسانے بھی نئے سیاسی، معاشی اخلاقی ومعاشرتی مسائل کو اپنے دامن میں سمیٹنے کے قابل ہو چکا تھا۔ قصہ مختصر ۱۹۳۲ء میں ''انگارے'' کی اشاعت نے ترقی پسند تحریک کے آغاز کے لیے بنیاد فراہم کر دی۔ اسی عہد میں فاشزم کے خلاف ایک تحریک نے جنم لیا۔ اور جولائی ۱۹۳۵ء میں پیرس میں

"World congress of the writers for the defence of the culture."

کے نام سے منعقدہ کانفرنس میں دنیا بھر سے شہرہ آفاق اور ادیبوں اور شاعروں نے شرکت کی جن میں میکسم گورکی، ہنری باربس، روماں رولاں، آندرے مارلو، تھامس مان، اور والڈو فرینک نمایاں تھے۔ اس میں طے پایا کہ:

''رفیقان قلم......موت کے خلاف زندگی کی ہمنوائی کیجئے، ہمارا قلم، ہمارا فن ان طاقتوں کے خلاف رُکنے نہیں پائے، جو موت کو دعوت دیتی ہیں۔''(۷)

اس تحریک کے اثرات پوری دنیا کے شاعروں اور ادیبوں پر پڑے۔ اسی سال لندن میں ہندوستان کے ادیبوں کی ایک انجمن قائم ہوئی۔ جس میں سجاد ظہیر، ملک راج آنند، ڈاکٹر جیوتی گھوش (بنگالی ادیب) ڈاکٹر محمد دین تاثیر اور پرمود سین گپتا شامل تھے۔ اس انجمن کا نام Indian Progressive writers association رکھا گیا۔(۸)

۱۹۳۶ء میں سجاد ظہیر نے ہندوستان میں ''انجمن ترقی پسند مصنفین'' کی بنیاد رکھی۔ ہندوستان میں اس کا پہلا اجلاس منشی پریم چند کی صدارت میں لکھنؤ میں منعقدہ ہوا۔

Scanned by CamScanner

ترقی پسند تحریک اردو ادب کی وہ پہلی تحریک تھی۔ جس کے لیے ایک باضابطہ منشور قائم کیا گیا۔

پریم چند نے ایک پورا دبستان پیدا کیا۔ یہی دبستان 'جب ترقی پسند تحریک شروع ہوئی' تو ہراول دستے کے طور پر سامنے آیا۔ جس میں نئے آنے والے شامل ہوتے چلے گئے۔ دبستان پریم چند اور ترقی پسند تحریک کا بنیادی فرق صرف یہ تھا کہ سوسائٹی سے پریم چند کا تعلق زیادہ تر اصلاح پسندی کے سبب سے تھا۔ جبکہ ترقی پسند تحریک کے منشور میں انقلاب کی خواہش پوشیدہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی پسند تحریک کے زمانے میں حقیقت نگاری نے کئی رنگ پیدا کیے۔ اس لئے آج یہ کہنا آسان ہے کہ ترقی پسند تحریک کے عہد میں بھی سبھی اہم افسانہ نگاروں نے کئی رنگ پیدا کیے۔ حقیقت نگاری کے افسانوں کے ضمن میں وقار عظیم رقم طراز ہیں:

"۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ء تک وسط میں موضوع اور فن دونوں کے اعتبار سے افسانے نے ان بیس برس کی مدت میں اتنی ترقی کی کہ وہ کبھی کبھی مغرب کے اچھے اچھے افسانوں کا ہم پلہ نظر آنے لگا۔" (۹)

حقیقت نگاری کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۳۶ء کے بعد ایک مختصر سے عرصہ میں اردو افسانے میں بہت بڑے نام سامنے آئے۔ ان میں نمایاں منٹو، بیدی، کرشن چند، عصمت چغتائی اوپندر ناتھ اشک، اختر اورینوی، حیات اللہ انصاری، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور اور احمد ندیم قاسمی وغیرہ شامل ہیں۔ حقیقت نگاری کے تحت افسانے لکھنے کا رواج اس وقت تک رہا جب تک ترقی پسند تحریک پر پابندی نہیں لگ گئی۔ ۱۹۵۶ء میں ترقی پسند تحریک پر پابندی عائد کر دی گئی۔ مگر حقیقت نگاری کے اثرات

Scanned by CamScanner

ہمارے افسانوں میں موجود ہیں اور اب بھی ہمارے بہت سے افسانہ نگار، حقیقت نگاری کے تحت افسانہ تحریر کرتے ہیں۔ پاکستان میں جدید افسانے کا آغاز ۱۹۶۰ء کے آس پاس ہوتا ہے۔ جدید افسانے کو عموماً علامتی یا تجریدی افسانہ کہا جاتا ہے۔ جدیدیت کے آغاز کا تعین ۶۰۔۱۹۵۵ء کے درمیان عرصہ میں ہوتا ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں ۱۹۵۸ء کا سال بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ اس سال ملک میں پہلا مارشل لاء نافذ ہوا۔ اس مارشل لاء نے آزادی کے ساتھ وابستہ تمام خوابوں کو چکنا چور کر دیا۔ آزادی اظہار پر جو کہ جمہوریت کی سب سے بڑی دین ہوتی ہے۔ پابندی عائد کر دی گئی۔

''یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے افسانے میں سب سے بڑی تبدیلی افسانے کے اسلوب میں آئی اور نیا افسانہ اپنے نئے علامتی اسلوب کے ساتھ جلوہ گر ہوا۔ یہ علامتیں کئی سطح پر اپنے عہد اور گرد و پیش کی نمائندگی کرتی تھیں۔''(۱۰)

یہاں جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ کے افسانے میں علامتی اسلوب در آنے کی وجہ مارشل لاء ہی نہیں ہے۔ بلکہ علامتی افسانے کی ایک وجہ ترقی پسند افسانے کا ردعمل بھی تھا۔ جو علامتی افسانے کی شکل میں در آیا۔

علامت نگاری ایک بالکل جدید اصطلاح ہے۔ یہ مغرب کی دین ہے۔ انگریزی میں ''Symbol'' کا لفظ یونانی لفظ ''Symbolln'' سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنا یا ملانا۔ جہاں دو چیزیں اس طرح جوڑ دی جائیں کہ دونوں چیزیں مل کر ایک نمائندگی کرنے لگے تو اس کو علامت کہتے ہیں۔ ادب میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کہ کر دوسری مراد لینا ہے۔ افسانے میں جو علامت استعمال کی جاتی ہے۔ اس کے پیچھے ایک جہان معانی پوشیدہ ہوتا ہے۔ اور قاری ان علامات کے ذریعے مصنف کے

Scanned by CamScanner

مافی الضمیر تک پہنچتا ہے۔

۶۰ء کی دہائی میں افسانہ نگاروں نے نئی صنعتی تہذیب کے خلاف جب اپنے ردعمل کا اظہار کیا اور سیاسی جبریت و آمریت کے دباؤ کو محسوس کیا تو اس کی ذات اور شخصیت ریزہ ریزہ ہوگئی۔ وہ معاشرے ہی میں نہیں کائنات میں بھی اپنے مقام کا تعین چاہتے تھے۔

۷۰ء کی دہائی اپنے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ سنگین صورتحال لے کر آئی۔ اس طرح ایک تو ذات کے مسائل تھے جو افسانے کا حصہ بنے ہوئے تھے دوسری طرف قومی تشخص کے سوال تھے۔

1978ء میں کراچی سے افسانوں کا ایک مجموعہ ''گواہی'' منظر عام پر آیا جو سیاسی جبر کے خلاف ادیبوں کی صدائے احتجاج تھی چونکہ اس وقت ملک میں مارشل لاء تھا اس لیے ایسے افسانے لکھنا بڑے دل گردوں کا کام تھا ان افسانوں کے لکھاری منشایاد، رشید امجد، مرزا حامد بیگ، احمد جاوید اور اعجاز راہی تھے۔

1970ء سے 1980ء کے درمیان میں قومی اور بین الاقوامی ہر دو سطح پر سیاسی اور سماجی حالات میں بڑی بڑی تبدیلیاں آئیں اس دور میں ہونے والے واقعات کا عکس اردو افسانے میں صاف صاف نظر آتا ہے۔

1980ء سے 1990ء تک کا دور اردو افسانے کے انحطاط کا دور تھا افغانستان اور سویت یونین ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما تھے پاکستان افغانستان کی پشت پناہی کر رہا تھا سرکاری سطح پر نعت گوئی کو بہت اہمیت دی جا رہی تھی یہی وہ دور تھا جس میں جہاد اور دہشت گردی جیسے موضوعات نے جنم لیا افسانے تو لکھے جاتے رہے مگر کوئی قابل قدر افسانوں کو مجموعہ سامنے نہ آسکا۔

Scanned by CamScanner

دیکھا جائے تو رومانوی افسانے کا نقطۂ نظر تخیل اور ترقی پسند افسانوں کا عصری حقائق پر مبنی تھا جبکہ جدید افسانہ ساجیات کے حصار سے نکلا اور انسان کے نہاں خانوں میں کہی گم ہو کر رہ گیا مگر عصری افسانہ ان دونوں کے درمیان تخلیقی سطح پر توازن تلاش کرنے کی پوری کوشش کرتا رہا اور اس نے اپنا الگ تشخص برقرار رکھا۔

1990ء سے لے کر 2001ء تک اردو افسانے نے نئی سمت متعین کی افسانے میں سماجی و سیاسی صورت حال، مشرقی اور مغربی تہذیب کا تصادم، انسانی قدروں کی کایا کلپ، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور میڈیا کی ایجادات جیسے موضوعات در آئے اردو افسانے میں موضوعاتی تبدیلیاں رونما ہوئیں اس کے ساتھ ہی ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا گلوبل ولیج دنیا نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا جہاد اور دہشت گردی کی اصطلاحیں سامنے آئیں لسانی اور تہذیبی تصادم ہوئے مسلمانوں کی الگ شناخت ٹھہری سب کچھ یہاں تک ہی شانت نہیں ہوا بلکہ طاقت کے نشے میں چور سپر پاور نے افغانستان اور عراق کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

یہ سب موضوعات اردو افسانے کا حصہ بن گئے ان موضوعات پر افسانے لکھنے والے افسانہ نگاروں میں منشایاد محمد حمید شاہد، مسعود مفتی، مشرف عالم ذوقی، مقصود الٰہی شیخ، افتخار نسیم، نیلو فر اقبال، گلزار، نیلم احمد بشیر، نیر اقبال علوی، محسنہ جیلانی، شیر شاہ سید، الطاف فاطمہ، پروین عاطف، حیدر قریشی اور جیلانی بانو شامل تھے۔

اس ضمن میں رشید امجد رقم طراز ہیں:

"نئے افسانے میں ایک اور موضوع جس نے اب مستقل حیثیت اختیار کر لی ہے وہ بٹی ہوئی

Scanned by CamScanner

شخصیت کا مسئلہ ہے۔"(۱۱)

اس سلسلے میں فوزیہ اسلام لکھتی ہیں۔

"کہا جا سکتا ہے کہ نئے افسانے کا سفر ایک غیر مطمئن آدمی کا سفر تھا۔ جس کے خواب شکستہ تھے شخصیت بٹی ہوئی تھی۔ پرانی اقدار زنگ آلود تھیں۔" نئی پہچان صاف دکھائی دیتی تھی۔ یہی وہ عناصر ہیں جن کا اکثر افسانے پر اثر یوں پڑا کہ نئی نئی علامتیں وضع ہونے لگیں اور کرداروں کے چہرے مسخ ہو گئے۔"(۱۲)

Scanned by CamScanner

ب۔ نائن الیون کے اردو افسانے

نائن الیون کے اردو افسانے پر اثرات

''لوتھ'' گیارہ ستمبر کے واقعات کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ ایک کردار جو اپنے اردگرد کے بارے میں آگاہی رکھتا ہے۔ جو حالات کے مطابق ردِعمل ظاہر کر سکتا ہے۔ کیسے ناتجربہ کار ڈاکٹروں کی وجہ سے رفتہ رفتہ لوتھ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

افسانہ لوتھ سے ایک اقتباس درجہ ذیل ہے۔

''وہ از حد فکر مندی ظاہر کرنے لگا تھا...... اور شاید ہو بھی گیا تھا...... لگ بھگ اتنا ہی فکر مند کہ دونوں فلک بوس عمارتوں کے ساتھ طیارے ٹکرانے کے بعد ہوا تھا۔''(۱۳)

اس افسانے میں دو کردار ہیں۔ جو اصل میں ایک ہی تہذیبی تسلسل کے دو زمانی وقفوں کی علامت بن جاتے ہیں۔ اس کہانی میں افسانہ نگار نے فلیش بیک تکنیک کا استعمال کیا ہے۔ ایک طرف تو زمانی وقفے کا تعین جبکہ دوسری طرف ٹی وی کے سامنے بیٹھے ہوئے بیٹے کی عقبی نشست پر باپ کی موجودگی کو ماضی جہت سے جوڑ دیا ہے۔

یہ کہانی ہماری نصف صدی کی تاریخ میں دو نسلوں کے درمیان پھیلی ہوئی خلیج کا تنقیدی بصیرت کے ساتھ جائزہ لیتی ہے۔ جس میں ہمارے خواب ڈوب گئے۔ اس کہانی میں نوجوان بیٹے کا باپ، پاکستان بنانے والی نسل کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کردار کی نفسیات کو بیان کرنے کے لیے افسانہ نگار نے ماضی کو حال کا ایک حصہ بنا کر زمین کو ایمان اور وجود کا حصہ قرار دیا ہے۔ اس ماضی میں بھی ایک ریل اپنی ساری

Scanned by CamScanner

دہشت بسین نالے میں انڈیل دیتی ہے۔قدموں تلے کی زمین چھینی جا رہی تھی یا پھر اس نئی زمینوں کی پکار پرانے رشتوں کی ساری طنابیں توڑ رہی تھی۔جیسے ہی ریل رکی، پانی کے ریلے نے ان کو جکڑ لیا جو دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔اس کی بیوی اور بیٹی پانی کے اس گرداب میں بہہ گئیں۔اس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر وہ چند ہی لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔پاکستان بنانے والی نسل کے کردار نے لمحوں میں سب کچھ کھو دیا۔اس کا بیٹا چوں کہ اس وقت معصوم سا بچہ تھا۔اس لئے ہجرت کے تجربے سے آگاہ نہ تھا۔اس نے نئی زمین پر اترنے کی لذت کا ذائقہ چکھا نہ تھا۔اب اس سلسلے میں کہانی کے پہلے جملے کو پڑھیئے :

''اس کی ٹانگیں کولہوں سے بالشت بھر نیچے سے کاٹ دی گئی تھیں۔''

اس کی ٹانگیں کٹوانے کا فیصلہ اس کے بیٹے کا تھا۔جس نے غیر ملکی ڈاکٹروں کی تجویز بند آنکھوں سے قبول کر لی تھی۔ یہاں استعاراتی پیرایۂ اظہار میں باپ، بیٹا، ملکی اور غیر ملکی ڈاکٹر، زخم، کٹی ہوئی ٹانگیں اور کہانی کا عنوان لوتھ جیسے الفاظ محمد حمید شاہد نے کچھ ایسی ہنرمندی سے برتتے ہیں کہ کہانی ترسیل کی بلند سطح کو چھو لیتی ہے۔

جیسے ہی کہانی ختم ہوتی ہے تو کئی سوالات قاری کے ذہن میں اُٹھتے ہیں۔ان کا آغاز بسین نالے سے ہوتا ہے۔اور پھر اس منظر سے جس سے شعلے بھڑک اٹھے تھے۔اس حیرت سے جو بیٹے کے چہرے پر کھنڈ گئی تھی۔اور اس کے ردعمل سے جو باپ کو دہشت زدہ

Scanned by CamScanner

کر گیا تھا۔ آنکھوں میں کڑوے پانی تھے۔سب کچھ آنکھوں میں کڑوے پانی تھے۔سب کچھ بسین میں بہہ گیا تھا۔ جو کچھ پانی بچا تھا۔ ان کڑے پانیوں نے بہالیا تھا۔ اور اگر اب بھی کچھ باقی بچ گیا تھا؟............ تو ایک ''لوتھ'' بغور دیکھا جائے تو افسانہ ''لوتھ'' ایک جیتے جاگتے انسان کے اندر سے ڈھے جانے کے عمل کی نقش گری ہے۔

❁......❁......❁

''گانٹھ'' بھی گیارہ ستمبر کے پس منظر میں لکھا گیا افسانہ ہے۔ جس میں برسوں سے مقیم ایک پاکستانی ڈاکٹر کو امریکہ میں کوئی شناخت نہیں ملتی۔

پاکستانی ڈاکٹر توصیف جو کئی عشروں سے امریکہ میں آباد چلا آتا ہے۔ اور جس نے اپنے وجود کو ہی نہیں بلکہ جداگانہ شناخت، تصورات، خیالات اور احساس تک کو امریکی معاشرے میں مکمل طور پر ضم کر دیا ہے۔ اس نے ایک امریکی خاتون سے شادی کی اور اسے نہ صرف اپنے مذہب پر کاربند رہنے کی مکمل آزادی دی بلکہ اپنے بچوں کو مقامی طور طریقوں ہی پر پروان چڑھانے کی اجازت دی۔ یہاں تک کہ اس کی بیوی شادی کے بعد بھی ''کیتھرائن'' اور بیٹے ''راجر'' اور ''ڈیوڈ'' ہی رہے۔ اس نے دنیا کی ہر آسائش اپنے امریکی خاندان کو فراہم کی۔ اس کا ماضی نہ جانے کب سے فراموشی کی گرد میں لٹ چکا تھا۔ اب تو اس کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ کب ڈاکٹر توصیف سے ''طاؤز'' بنا تھا۔

۹/۱۱ کی ناگہانی افتاد نے اسے بھی بہت سے سابقہ ہم وطنوں کی طرح شک و شبہ کے خندق میں پھینک دیا اور بالآخر اسے بھی ''اون کنٹری'' میں ڈی پورٹ کر دیا گیا۔ رشتے ناطے کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ چکے تھے۔ حد کہ بیوی بچے تک مغائرت اور

Scanned by CamScanner

بیگانگت کا شکار تھے۔ ان کے درمیان ضرورت مندی کا ایک واسطہ رہ گیا تھا۔ کہ بیوی کا اس سے مطالبہ تھا تو بس اتنا کہ وہ ڈی پورٹ ہونے سے قبل امریکہ میں موجود اپنی تمام دولت سے دست برداری کے کاغذات پر دستخط کر دے کہ وہ اس کے بعد فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکیں۔

پاکستان آنے کے بعد بھولی بسری بہن اور اس کے بچوں سے ٹوٹے ہوئے رشتے کی بحالی نئی حقیقت پسندی کو اُبھارتی ہے۔ بادی النظر سے دیکھا جائے تو یہ کہانی بھی عالمی سیاست کے تناظر میں لکھی نظر آتی ہے۔ اس میں انسانی رشتوں کی شکست وریخت اور تہذیبی وثقافتی قدروں کی پائمالی اور نامعتبری کا المیہ دکھائی دے گا۔

افسانے میں آغاز کچھ یوں ہوتا ہے۔

''عصبی ریشوں کے وسط ہی میں اضافی گانٹھیں پڑ گئیں.......... یا پھر شاید، پہلے سے پڑی گرہیں ڈھیلی ہو گئی تھیں کہ اضلال اُس پر چڑھ دوڑا تھا۔'' (۱۴)

معالج کوشش کے باوجود بھی اپنا کردار درست انداز میں ادا نہیں کر رہا ہے۔ عصبی ریشوں کے وسط میں پڑنے والی اضافی گانٹھیں مریض کو رفتہ رفتہ خاتمہ کی طرف لئے جا رہی ہیں۔

توصیف ان لوگوں میں سے تھا۔ جو مغرب کی چکا چوند سے متاثر ہو کر اپنے نام تک بدل لیتے ہیں۔ لیکن مغرب انہیں پھر بھی اپنے ساتھ شناخت نہیں کرتا۔ وہ اپنی اصل شناخت کھو چکے ہیں۔ یہ وہ المیہ ہے جس کا سامنا آج مغرب زدہ مسلمان کو کرنا پڑتا ہے۔

اقتباس درج ذیل ہے:

''جب وہ حادثے میں اعصابی جنگ ہارنے والوں کو زندگی کی طرف لا رہا تھا۔ اسے سماجی خدمت جان کر.......... کسی معاوضے سے اور صلے سے بے نیاز ہو کر.......... تو اسے اس خلیج کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا۔ جیسے بہت سال پہلے کاٹنے کے لیے

Scanned by CamScanner

اس نے اپنے وجود سے وابستہ آخری نشانی اپنے ''توصیف'' کو بدل کر ''طاؤز'' ہو جانا بخوشی قبول کر لیا تھا۔''(۱۵)

''گانٹھ'' ایک نئے سرے سے جنم لینے والے انسان کی کہانی ہے۔ جو روشن خیالی اور رنگین اشتہارات کی وجہ سے اپنی شناخت بدل لیتا ہے۔ توصیف سے طاؤز بن جاتا ہے۔ لیکن گیارہ ستمبر کے حملوں کے بعد وہ پاکستانی یا مسلمان ہونے کی وجہ سے مشتبہ ٹھہرتا ہے۔ اور اپنے خوابوں کی جنت سے ڈی پورٹ کر کے پاکستان بھیج دیا جاتا ہے۔

''وہ لڑکی جو اخبار بیچتی ہے'' افسانے کا نام خواہ کچھ بھی ہو مگر دو جڑواں ٹاورز کے گرنے کے بعد وہاں پر کام کرنے والے لوگوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور خوف و ہراس پھیلا اس کو سامنے لاتی ہے امر محبوب ٹیپو کے اس افسانے میں ایک اچھوتے موضوع کو زیر بحث لایا گیا ہے افسانے کا ہیرو نیویارک میں ایک آفس میں کام کرتا ہے روزانہ صبح کو وہ جب اسٹیشن پر پہنچا ہے تو ایک اخبار بیچنے والی لڑکی اس کو ملتی ہے جو اس مصروف دنیا میں اس کو مسکرا کر صبح بخیر کہتی ہے یونہی نائن الیون کا واقعہ برپا ہوتا ہے وہ بھی ان ٹاورز کے دھویں میں کہیں کھو جاتی ہے ہیرو پھر ان مشکلات کا سامنا کرتا ہے جن کا نیویارک میں غیر ملکیوں کو کرنا پڑا اس کے لیے زندگی چند دن کے لیے ڈرونا خواب بن جاتی ہے چند دن کے بعد وہ لڑکی اس کو دوبارہ اسٹیشن پر ملتی ہے تو ہیرو گویا پھر جی اٹھتا ہے اس کے نزدیک اس مشینی زندگی میں جہاں نائن الیون جیسا واقعہ ہونے کے بعد انڈسٹریل نظام متاثر ہیں ہوا انسان نہیں

Scanned by CamScanner

مشینیں رہتی ہیں اور نائن الیون جیسا واقعہ بھی اس مشینی نظام کو نہ بدل سکا۔

بحوالہ:۔''رسالہ دنیازاد''از آصف فرخی۔کراچی 2007 صفحہ نمبر 104,103۔

۹/۱۱ کے پس منظر میں لکھی گئی ایک کہانی ''سورگ میں سور'' ہے۔ یہ اپنے وطن ہی میں زمینی وسائل اور تہذیبی اقدار سے اجتماعی بے دخلی کی داستان ہے۔

گیارہ ستمبر کے تناظر میں سوروں کی آمد، کتوں کی بہتات، بکریوں کی اموات اور مونگ پھلی کی کاشت جیسی علامتوں سے محمد حمید شاہد نے عالمی بساط کے اس مکروہ کھیل سے پردہ چاک کیا ہے۔ جس میں موت ہماری تہذیبی تشخص کی طرف بڑھ رہی ہے۔

ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

''سورگ والوں نے کتوں کی تعداد بڑھائی ضرور تھی۔ مگر یہ تعداد کبھی کافی نہ ہو پائی تھی۔ کہ لائن لگانے والا یہ بے شرم جانور بڑھتا بھی بہت بڑی سرعت سے تھا۔ ہر اڑھائی مہینے کے بعد ان کی حرام زادیوں کی بگھیاں بھر جاتیں اور سال بعد پتا چلتا کہ پچھلے برس کے مقابلے اس بار تین گنا زائد آ گئے۔ اور مونگ پھلی کے کھیتوں کو کھود کر پلٹ گئے۔''(۱۸)

اس سلسلے میں ڈاکٹر نجیبہ عارف لکھتی ہیں:

''سورگ میں سور'' کا علامتی انداز اپنی جگہ نہایت مکمل اور بے ساختہ محسوس ہوتا ہے۔ اور کہیں بھی تفہیم و ابلاغ میں رکاوٹ کھڑی نہیں کرتا۔ یہ ایک نسل، ایک قوم

Scanned by CamScanner

یا ایک ملک کی کہانی نہیں۔ بلکہ اس روئے زمین پر رونما ہونے والے ایک عہد زیاں کی کہانی ہے۔(۱۹)

بقول مسعود مفتی:

''سورگ میں سؤر'' کے حوالے سے کہوں گا کہ اس جنت کو تباہ سوروں نے نہیں بلکہ ان لوگوں کے رویوں نے کیا ہے جن کی وجہ سے مادی ترغیبات نے رحمدلی کے جذبے کو معدوم کر دیا ہے۔(۲۰)

ڈاکٹر شیر شاہ سید کے ۹/۱۱ کے حوالہ سے افسانے ''جالے اور دھواں'' اور ''نائن الیون'' بھی اہمیت کے حامل ہیں۔اس افسانے ''جالے اور دھواں'' میں کراچی اور نیویارک میں ایک تقابلی جائزہ لے کر دونوں شہروں کی صورت حال کو بیان کیا گیا ہے۔کہ کراچی میں کیسے دہشت گردی ہوتی ہے، گولیاں چلتی ہیں۔لوگ مرتے ہیں۔گاڑیوں کو آگ لگا کر جلا دیا جاتا ہے۔جبکہ نیویارک میں کتنا امن ہے۔کتنی شانتی ہے۔

''پھر اس کے خط آنے لگے، کبھی بھیا کے نام، کبھی امی کے نام اور کبھی ہم دونوں کے نام یہی لکھا ہوتا کہ کراچی میں جو کچھ ہو رہا ہے اچھا نہیں ہو رہا۔امریکہ میں تو ایسا ہو رہا ہے..........ایسا قانون ہے۔ایسے خوبصورتی ہے۔جیسے نیویارک نہیں کوئی جنت ہے۔''(۲۱)

اس طرح اقبال اپنے بڑے بھائی کو جو کراچی میں کبھی دہشت گرد تنظیم کا ممبر رہ چکا ہے۔اور اس کے بھائی جمال کی لاش قالین میں اس کی بہن کی شادی کے دن بھیجی جاتی

Scanned by CamScanner

ہے۔نیویارک بلالیتا ہے۔وہ نیویارک میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے اور پرانے واقعات کو
بھولنے کی کوشش کرتا ہے۔مگر ایک روز ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ ہو جاتا ہے۔

''پھر یکا یک وہ سب کچھ ہو گیا۔صبح میں اپنے کام میں پہنچا تھا کہ وہ منحوس خبر آئی کہ ایک کے
بعد ایک کر کے دو جہاز ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا گئے ہیں۔دونوں بلڈنگوں میں آگ
لگی ہوئی ہے۔اقبال بھی تو ٹریڈ سنٹر میں کام کرتا تھا۔وہ بھی عادتاً صبح سویرے
اپنے وقت سے پہلے اپنے آفس پہنچ کر کام شروع کر دیتا تھا۔''

اقبال کی موت کی خبر اس کے بھائی کے لیے ایک مسئلہ پیدا کر دیتی ہے۔کہ جمال کی
ٹکڑوں میں بٹی لاش مل گئی تھی مگر اقبال کی لاش کا کچھ پتہ بھی نہیں ملتا۔قاری کے لئے اہ
نقطہ یہ ہے کہ کیا دنیا میں کوئی جگہ ایسی پر امن ہے جہاں انسان چین اور سکون سے اپنی زندگی
گزار سکے۔

مر کے بھی چین نا پایا تو کدھر جائیں گے

''نائن الیون'' خطوں کی شکل میں لکھا ہوا افسانہ ہے جس میں کراچی سے ایک
بھائی اپنی بہن شہناز کو خطوں کی شکل میں گیارہ ستمبر اور مابعد گیارہ ستمبر کے حالات کے
بارے میں آگاہ کرتا ہے۔

یہاں ان خطوں میں گیارہ ستمبر کا واقعہ،اس کے دنیا پر اثرات،مسلمانوں کو درپیش
مسائل،امریکیوں کا ردعمل،ٹوئن ٹاورز کا منہدم ہونا وغیرہ شامل ہیں۔وہاں مسلمان بچوں کی
سوچ کو بھی پیش کیا گیا ہے کہ وہ اس واقعہ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

Scanned by CamScanner

نعمان جو نسیم کا بھانجا ہے۔ وہ اس واقعہ کو بڑے مزے سے بیان کرتا ہے۔ جیسے کوئی لطیفہ سنا رہا ہو۔

''ماموں جان، ماموں جان آپ نے بی بی سی سنا، خبر سنی آپ نے؟ امریکہ میں کیا ہوا؟ نیویارک اور ٹوئن ٹاورز کی ایسی تیسی کر دی گئی۔ دو جہاز ٹکرا گئے۔ ان سے امریکہ کی تباہی کا آغاز ہو چکا ہے۔ بہت تنگ کر لیا ان لوگوں نے مسلمانوں کو۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ ایک دن تو یہ ہونا ہی تھا۔'' (۲۳)

معصوم جانوں کا زیاں ایک دردمند انسان کے دل پر بہت اثرات ڈالتا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مکتوب الیہ خط لکھنے کے دوران اشک بار ہو جاتا ہے۔

ایک دوسرے کو تحریر کئے گئے یہ خطوں یہاں پر امریکیوں کے ماضی میں ظلموں اور جنگوں کی داستان کو پیش کرتے ہیں۔ وہاں پر یہودیوں کی اس سازش کو بھی بے نقاب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جو نائن الیون کو انہوں نے کی۔

''اب تو یہ پتہ بھی لگ گیا ہے۔ کہ ۹/۱۱ کی پلاننگ میں جو بھی لوگ تھے۔ وہ سالوں سے امریکہ میں ہی رہتے تھے۔ وہاں پر ان لوگوں نے پلاننگ کی، منصوبہ بندی کی۔'' (۲۴)

افغانستان کی جنگ، غریب اور کمزور افغان عوام کے مسئلہ اور امریکہ کا تقابل بھی کیا گیا ہے۔ افغان امریکیوں کی نسبت، کم تعلیم یافتہ، ترقی پذیر غریب ملک ہے، اور امریکہ دنیا کی سوپر پاور۔

ان خطوں میں حقیقی آئینہ دکھانے کی ایک مبہم سی کوشش کی گئی ہے۔ جو قاری کے لئے سوچوں کے کئی افق کھول دیتا ہے۔

Scanned by CamScanner

مسعود مفتی کا شمار ہمارے سینئر افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ نائن الیون کے تناظر میں ان کا لکھا ہوا افسانہ ''شناخت'' بھی اہمیت کا حامل ہے۔

افسانہ ''شناخت'' پہچان ہے خود اپنی ذات کی، اپنے آپ کو پہچاننے کی، اپنی ذات کے گرد حصار کو مسمار کرنے کی۔ تاکہ اصل انسان کو شناخت کیا جا سکے۔

خالد ایک ایسا انسان ہے جو لبرل خیالات کا مالک ہے۔ ایک عیسائی لڑکی سے امریکہ میں شادی کرتا ہے مگر دوسری طرف اس کے پاکستان میں رہنے والے والدین کو اس کی اس حرکت سے سخت صدمہ پہنچتا ہے۔

افسانہ سے اقتباس درج ذیل ہے۔

''خبر سننے والوں میں سے بعض لوگ انجان بن کر ملنے آئے کہ دیکھیں یہ خود خبر بتاتے ہیں یا نہیں۔ مگر امی ابو انہیں مصنوعی مسکراہٹوں سے ملتے رہے۔ اوپر سب سے اچھا ہونے کا تاثر دیتے رہے اور دل ہی دل میں ڈرتے رہے کہ یہ موضوع چھڑ نہ جائے۔ ہر جانے والے کے بعد سوچتے کہ ہم نے اسے دھوکا دیا ہے یا اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ مگر یہ دودھاری دھوکا زیادہ دن نہ چل سکا۔'' (۲۵)

یکسر منظر بدلا تو نائن الیون کے بعد مسلمانوں کو دہشت گرد گردانا جانے لگا۔ خالد کو پھر پتہ چلا کہ انسان کی اصل پہچان اس کی شناخت ہوتی ہے۔ اس کے ایک بنگلہ دیشی دوست مفیض کو مسلمان ہونے کی وجہ سے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ابتداء میں مفیض سے نفرت آخر کار محبت میں تبدیل ہو گئی اور خالد نے اپنے والد کی وفات کے بعد اپنی شناخت کر لی اور اس کا مسلمان ہونا اس کی شناخت ٹھہرا۔

Scanned by CamScanner

افتخار نسیم کا افسانہ ''پردیسی'' ایک انسان کے المیے کی کہانی ہے۔ جو ۱۹۴۷ء کے فسادات میں اپنے خاندان سے بچھڑ جاتا ہے۔ ایک سید زادی اس کو گود لیتی ہے۔ مگر اس کے سوتیلے بھائی اس پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ میٹرک کے بعد وہ لاہور میں آ کر کالج میں داخلہ لے لیتا ہے۔ والد کی وفات کے بعد اس کا بھائی اس کو ہمیشہ کے لئے گھر سے نکل جانے کا حکم صادر کرتا ہے۔ اقتباس درج ذیل ہے:

''والد کو دفنانے کے بعد اس کے بیٹوں نے فیصلہ کیا کہ اسلم سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ اس رات بڑا بھائی اس کے کمرے میں آیا اور بولا ''اسلم دیکھو ہم نے جو کچھ تمہارے لئے کرنا تھا کیا۔ اب تم خود اپنے لیے کرو۔ کل تم یہاں سے چلے جانا۔(۲۷)

بہت جدوجہد کے بعد بالآخر وہ امریکہ میں چلا جاتا ہے اور وہاں پر رہنا شروع کر دیتا ہے۔

۱۱ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد جب منظر بدلتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملے میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔ مگر اس کے رنگ و نسل کے لوگوں کو مجرم گردانا جا رہا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اس کا گھر کونسا ہے؟ ملک کونسا ہے۔ ہر جگہ بگ برادر ایک جیسے ہوتے ہیں اور حکم صادر کرتے ہیں۔

Go Back to your country

''اسلم پر بچپن سے لے کر اب تک کیا کیا نہیں گزری مگر آج اس کو ڈرگ سٹور لاٹ میں جاتے ہوئے کار میں سے کسی امریکن کی آواز آئی۔

Go back to your country mother:

تب اسے احساس ہوا کہ وہ ابھی تک پردیسی ہی ہے!(۲۸)

❁......❁......❁

Scanned by CamScanner

افغانستان اور عراق جنگ سے متعلق اردو افسانے

''مرگ زار'' کے عنوان سے تحریر افسانہ ایک ایسی کہانی ہے جو اپنے تیز ناخنوں سے اپنا ہی کلیجہ چھیل کر لکھی جاسکتی ہے۔ ''مرگ زار'' ایک ایسی کہانی ہے۔ جو افغانستان کے چٹیل اور سخت کوش معاشرے میں گذشتہ تین عشروں سے جاری وحشت و بربریت خون آشامی اور انسانیت کی ذلیل و شکستگی کی طاغوتی عمل داری کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔

موضوعاتی سطح پر یہ ایک نہایت چیختا چنگھاڑتا موضوع ہے۔ جس سے ہلاکت آفرینی کے بے شمار گوشے نکلتے ہیں۔ ایک نوجوان مصعب افغانستان میں بپا جہادی مورچے میں شہید ہو جاتا ہے۔ اور مجاہد تنظیم کے لوگ اس کی لاش کے منتشر ٹکڑے اکٹھے کر کے پشاور لاتے ہیں۔ اور کہانی کے راوی کو جو شہید کا بھائی ہے۔ اس کی شہادت کی ''خوشخبری'' سناتے اور مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ وہ بھائی کی لاش حاصل کرنے مری سے پشاور تک کا سفر کرتا ہے۔ لیکن جہادی تنظیم والے شہید کی وصیت کے مطابق اس کی لاش کے باقیات کو جلال آباد کے گنج شہیداں میں دفن کرنا چاہتے اور اس کام کے لیے اس کی اجازت چاہتے ہیں۔ کہانی کا سارا تار و پود ایک بے حس میکانکیت کا اظہار ہے۔ جہادیوں کے قول و عمل میں شہادت کی دولت بے بہا مبارک بادیاں ہی مبارک بادیاں ہیں۔

Scanned by CamScanner

انسانی زندگی کے اتلاف پر دکھ اور رنج کی ہلکی سی لہر بھی نہیں۔ ایک جیتا جاگتا پر جوش نوجوان جس کے سامنے عالم امکان پھیلا ہوا ہے۔ موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا کٹا پھٹا لاشہ بھی محترم ہے کہ وہ شہید کے ارفع و عالی مقام پر فائز ہو چکا تھا تو وہ ''شہادتیں'' جو نقل مکانی اور ہجرت کے دوران وقوع ہوئی تھیں۔ اور جنہیں بھلانے میں ایک مدت لگی ہے۔ اس شہادت سے کیوں کر مختلف ہو سکتی ہیں۔

کہانی میں جذباتیت اور سنسنی خیزیت کا احساس نہیں ہوتا۔ بس حزن و ملال کی اتنی ہی کیفیت طاری رہتی ہے۔ جتنی ایک عمومی واقعے میں ہونا چاہئے تھی۔ اس ضمن میں امجد طفیل رقمطراز ہیں۔

''مرگ زار'' میں مری کا ماحول ایک بار پھر محمد حمید شاہد کے افسانوں میں نمودار ہوتا ہے۔ ''برف کا گھونسلا'' کی طرح ''مرگ زار'' میں بھی موت ڈیرے ڈالے ہوئے ہے۔ لیکن یہاں افسانہ نگار ایک سوال اٹھاتا ہے کہ وطن کے لیے جان قربان کرنے کا عمل بھی بے معنی ہو چکا ہے کیوں کہ اس عمل کے ساتھ وابستہ تقدس ختم ہو چکا ہے۔ (۱۶)

بقول ناصر عباس نیئر:

''مرگ زار'' کا مصنف اپنے افسانوں میں دنیا کو لکھتا ہے۔ مگر جب یہ دنیا لکھی جاتی ہے تو کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ افسانوی تخلیقی عمل دنیا کو بدل دیتا ہے۔ (۱۷)

Scanned by CamScanner

محسنہ جیلانی نے اپنا افسانہ "عراق عراق" عراق امریکہ جنگ کے تناظر میں قلم بند کیا ہے۔اس میں پیش کیا گیا کرب اور ملال محسنہ جیلانی کا اپنا محسوس ہوتا ہے۔ جس کو اس نے الفاظ کے ذریعے افسانے کے رنگ میں ڈھال دیا ہے۔ عراق میں اُجڑی ہوئی عورت کوئی اور نہیں بلکہ محسنہ جیلانی ہی ہے۔

"اس کے جسم سے خدا جانے کتنا خون بہہ گیا تھا۔ وہ لنگراتی ہوئی کہاں جا رہی تھی۔ وہ اپنے خاندان سے بچھڑ کر جیسے اپنے وجود سے بچھڑ گئی تھی۔ وہ کون ہے، اس کا گھر کہاں تھا، اسے کچھ یاد نہ تھا۔ بس اتنا احساس باقی تھا کہ اس کا چھ ماہ کا بچہ اس کی گود میں نہ تھا وہ اس سے بچھڑ گیا تھا۔"

محسنہ بھی ایک عورت ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک حساس ادیبہ ہے۔ وہ جانتی ہے کہ جنگ ایک مصیبت ہے۔ جس میں مرد تو مر جاتے ہیں مگر یہ عورتوں پر ٹوٹ پڑتی ہے۔

جب مظلوم عورت کا اس سے چیخنا دیکھا نہیں گیا۔ تو وہ "عراق عراق" چلا اُٹھی۔

یہ افسانہ نہیں بلکہ جلتا ہوا عراق ہے۔ جس کی فضا میں پھول کی خوشبو کی مہک نہیں، بارود کی بو ہے۔ جس میں مرنے والے انسان، اور زندہ رہنے والے درندے ہیں۔ جس میں مرجھانے والے بچے، مگر آخری ہچکیاں لیتی عورتیں ہیں، آنگن اُجڑ گئے مگر نشان باقی ہیں۔ واقعی عراق، عراق ہے۔

Scanned by CamScanner

محمد سعید شیخ ہمارے عہد کے معتبر افسانہ نگاروں میں سے ہیں۔ ان کا افسانہ ''کبڑا'' احساس ندامت سے جھکی کمر کے اوپر پڑنے والے بوجھ کو عیاں کرتا ہے۔ یہ بوجھ مسلمانوں کے اوپر ڈھائے جانے والے ظلموں کی نشاندہی کرتا ہے۔ نائن الیون کے بعد افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ اور کوئی بھی مسلمان ملک ان کے حق میں آواز بلند نہ کرسکا۔ طاقت کے آگے سب سر جھکا لیتے ہیں۔ عراق پر حملہ ہوا۔ خون وکشت کی ہولی کھیلی گئی۔ اسلامی ممالک خاموش تماشا بنے رہے۔

مگر ایک مسلمان شخص ایسا بھی ہے۔ جس میں انسانیت ہے۔ وہ ظالم کے خلاف آواز اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر اس کی آواز کو دبا دیا جاتا ہے۔ تب اس کی کمر احساس ندامت سے ہمیشہ کے لئے جھک جاتی ہے اور وہ کبڑا ہو جاتا ہے۔

افسانے ''کبڑا'' سے اقتباس:

''جانے سے پہلے اس نے ایک طرح سے تنبیہہ کرتے ہوئے کہا تھا، آپ کو، سب کو، آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں، میرے احساس میں میری سوچ میں شریک ہونا پڑے گا اور جونہی میرا احساس عام ہوا۔ سب کبڑے ہو جائیں گے۔ کسی سے سر اٹھاکے نہیں چلا جائے گا۔'' (۲۹)

افسانہ ''دی سٹون ایج'' گلزار نے تحریر کیا ہے۔ افغان امریکہ جنگ میں ایک چھوٹے سے بچے کے اندر جنم لینے والے سوالات اس کا مرکزی تھیم ہے۔ اس کے ننھے منے سوالات کا جواب دادی داستان کی صورت میں دیتی ہے۔ مگر چونکہ وہ ایک مسجد میں ٹھہرے ہوتے ہیں، اس لئے امریکن بمبار ایک دن مسجد پر بمباری کرتے ہیں۔ جس میں اس کی دادی شہید ہو جاتی ہے۔

Scanned by CamScanner

اب اس کے سوالات کا ھالہ اپنے باپ کی طرف ہو جاتا ہے۔ ہیلی کاپٹر، دشمن، بم، فدائین، یہ سب اس کے لئے نامانوس الفاظ ہیں۔ وہ تو دادی سے کہانیاں سننے والا بچہ ہے۔ غار کی کہانیاں سننے والا۔ اس کو اپنی دادی کی یاد ستاتی ہے کیوں کہ وہ اس کے سوالات کا جواب دیتی تھی۔

''دادی بہت یاد آتی تھی اسے۔ چند مہینے جو قندھار کی ''آنبوسی'' مسجد میں گئے تھے۔ اس میں دادی نے بہت کہانیاں سنائی تھیں اسے۔ ''دیو قامت عیار نے پری کو لے جا کر دو فلک بوس میناروں میں بند کر دیا۔''(۳۰)

امریکہ نے افغانستان کو بمباری کر کے پتھر کے زمانے میں دھکیل دیتا ہے۔ تو اس کو پھر پتہ چلتا ہے کہ فدائین کیا ہوتے ہیں۔ دشمن کسے کہتے ہیں۔ بم، ہیلی کاپٹر کیا ہیں۔

نیئر اقبال علوی ہمارے عہد کے معروف افسانہ نگار ہیں ان کا تیسرا افسانوی مجموعہ ''سلسلہ روز و شب'' اپنے اندر موضوعاتی تنوع رکھتا ہے۔

اس مجموعے کے دو افسانے ''کنارِ دجلہ'' اور ''زندانِ ابو غریب'' خاص طور پر پڑھنے والوں کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ ان افسانوں میں ہمیں عالمی استعمار کے خلاف تخلیقی ردعمل ملتا ہے۔

امجد طفیل اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''ہمارے ہاں بھی عالمی استعمار کے خلاف مزاحمت ایک تحریک کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔ نیر اقبال علوی کے افسانوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں مغربی معاشرے کی صورتِ حال کو ایک پاکستانی کی حیثیت سے دیکھا گیا ہے۔''

نیئر اقبال علوی کا افسانہ ''کنارِ دجلہ'' عراق کے حالِ زار پر ایک طائرانہ نظر ہے۔ اس میں افسانہ نگار نے عمار ابن علی موسیٰ کو ایک بہادر بچے کے طور پر پیش کیا ہے۔ جو

Scanned by CamScanner

امریکی صدر کو خط لکھتا ہے کہ اس کی اصل ٹانگیں اور بازو اس کو لوٹائے جائیں۔

''ڈاکٹر! میری ٹانگیں................ میری ٹانگیں نہیں ہل رہیں اور................... اور میرے بازو................ میرے بازوؤں کو تم نے کیا................. میرے دونوں پانو.............. میرے ہاتھ کدھر گئے؟ .... خدا را مجھے بتاؤ.................''

''جناب! آپ امریکی صدر سے کہیں کہ مجھے میرے بازو اور میری دونوں ٹانگیں واپس دلوائیں۔(۳۱)

ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے تقریباً چھ ماہ کے بعد ''رم سٹائین'' میں ان مصنوعی اعضاء کی پیوند کاری کے لیے آپریشن شروع کیے۔ بیسیوں مرتبہ بچے کو آپریشن کی غرض سے بے ہوش کرنا پڑا۔ ٹانگوں اور بازوؤں کو حرکات دینے کے لئے ان میں پیوند کاری نائیلون اور تانبے کی تاروں کے ساتھ کی گئی۔ خدا اور............ امریکی صدر کے درمیان زندگی اور موت کا کھیل جاری تھا۔ آٹھ ماہ کے کے بعد بچے کو اپنی ٹانگوں پر کھڑا کیا گیا۔ امریکی صدر نے سینہ تان کر ڈاکٹر جان گلکرسٹ اور اس کی ٹیم کو اس منفرد کارنامے پر روشنی ڈالتے ہوئے اسے امریکہ کے شعبۂ طب میں بہت بڑی کامیابی سے تعبیر کیا۔

مگر بش یہ بھول گیا کہ عمار ابن علی موسیٰ کی ٹانگیں اصل نہیں، وہ عراقی اور امریکی بچوں کی طرح نہیں چل پھر سکتا۔

امریکہ نے صدام حسین کی معزولی اور گرفتاری کے لئے جوان گنت بے گناہ اور معصوم انسانی جانیں تلف کیں، اس کا کیا جواز تھا؟

Scanned by CamScanner

نیرؔ اقبال علوی کا افسانہ ''زندانِ ابو غریب'' بغداد کی سب سے بڑی جیل کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ یہ جیل صدام حسین کے دور میں ڈھائے جانے والے ظلم و ستم کے لیے سخت بدنام تھی۔ امریکی اور برطانوی فوجیوں نے یہاں قیدیوں کے ساتھ وہ غیر اخلاقی، غیر انسانی اور ہتک آمیز سلوک کیا کہ صدام حسین کے ظلم وستم ان کے سامنے حقیر نظر آنے لگے۔

تصویریں ''ڈیلی نیوز'' لندن سے چھپ کر جب بازار میں آئیں تو کرۂ ارضی، سچ مچ زوردار بھونچال کی زد میں آچکا تھا۔ پہلی تصویر میں پانچ چھ نوجوان عراقی قیدی برہنہ حال میں فرش پر شرمناک حالت میں ملے۔ اوپر تلے ایسی کسی غیر مہذب عریانی کی تصویر بنے دکھائی دے رہے تھے۔ اور ان مجبور و بے کس برہنہ جسم قیدیوں کے عقب میں نوجوان لڑکا اور ایک خوب رو لڑکی دونوں امریکی فوجی یونیفارم زیب تن کیے فخر و مسرت کے ساتھ اپنے اپنے دائیں ہاتھوں کے انگوٹھوں کو اوپر کی طرف لہراتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایک دوسری تصویر میں ایک امریکی فوجی لڑکی جیل کی راہداری میں مادر زاد ننگے عراقی نوجوان کے گلے میں پھندا ڈال کر اُسے گھسیٹتے ہوئے نظر آ رہی تھی۔

اس طرح کی سینکڑوں تصویریں اخبار اور انٹرنیٹ پر موجود تھیں۔

''ان روح فرسا اور گھمبیر حالات نے اس وقت ایک نیا رُخ اختیار کرلیا، جب عراقی چھاپا

ماروں نے ایک نوجوان امریکی شہری کو اغوا کرنے کے بعد اپنے ہم وطنوں سے
کی گئی چیرہ دستیوں کا بدلہ چکانے کی خاطر اُس بے گناہ کو چلتے ہوئے کیمرے
کے سامنے بکرے کی مانند ذبح کر ڈالا۔ دنیا بھر کے لوگ ایک مرتبہ پھر یہ خونی
ڈراما، یہ انسانی حیوانیت، یہ درندگی دیکھ کر سہم گئے۔ سب نے اس واقعہ پر اظہار
تاسف اور احتجاج کیا۔ سب کے لبوں پر ایک ہی سوال تھا کہ آخر.......... یہ
درندگی کب تک.......... چلے گی۔"(۳۲)

"زندانِ ابوغریب" میں ڈھائے جانے والے ظلم اور غیر اخلاقی، ہتک آمیز اور غیر انسانی رویئے نے اس کو تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ کے لیے بدنام زمانہ بنا دیا۔ یہاں پر روا رکھے گئے جبر و ستم چاہے ہلاکو خان اور باکو کان کے ظلم سے کم تر ہی ہوں۔ مگر اکیسویں صدی کے اس دور کو انہدام کے ہزاروں سال بعد جب آنے والے زمانوں کے لوگ تاریخ کی کتابوں پڑھیں گے تو بے اختیار پکار اُٹھیں گے۔

اُف خدایا! اکیسویں صدی کے لوگ رُتبۂ انسانیت سے بھی کس قدر بے بہرہ پست اور حیوانی سطح کی زندگی گزار رہے تھے؟

الطاف فاطمہ اردو افسانوں کے حوالہ سے ایک اہم نام ہے۔ ان کا عراق جنگ کے حوالہ سے قلم بند کیا ہوا افسانہ "دید وادید" داستانی تاثر لیے ہوئے ہے۔

افسانے کا آغاز کسی داستان کے آغاز کی طرح ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

''یہ بغداد ہے۔ ہارون الرشید کا بغداد، جہاں کبھی ہارون الرشید رات کے وقت بھیس بدل کر گلی محلوں کا گشت کرتا تھا۔'' (۳۳)

مگر ماضی کو مستقبل کی دہلیز پر کھڑا ہارون رشید جو پاکستانی ہے دیدوادید سے دیکھ رہا ہے۔ کہ اچانک اس کو ایک لڑکی شہرزاد ملتی ہے۔ ایک ہزار ایک داستان سنانے والی الف لیلہ کی شہرزاد نہیں بلکہ بغداد میں ظلم و جبر کے پہاڑ برداشت کرنے والی شہرزاد۔

ہارون رشید، اس کو پہچان لیتا ہے۔ چونکہ کبھی وہ کلاس فیلوز رہے ہوتے ہیں۔ یہاں اپنے بیتے دنوں کو یاد کر کے خوش ہوتے ہیں وہاں وہ مستقبل کو دیکھ کر آبدیدہ بھی ہوتے ہیں۔

ہارون رشید تقابلی جائزہ لیتا ہے۔ کہ یہ وہ عراق نہیں جس کے شہر بغداد کو عروس البلاد کہتے تھے۔

یہاں شہر کے مرکزی چوک میں رات بھیگی ہونے کے ساتھ ہی داستان گو اپنے مخصوص انداز میں چبوترے پر آن بیٹھتے تھے اور داستان سننے والوں کا ہجوم بڑھتا جاتا تھا۔ اب شہرزاد کے بغداد اور آج کے بغداد میں، صدیوں کا فاصلہ حائل ہے۔ اس شہر اور اس شہرزاد میں کتنا فرق ہے۔

''میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، سامنے گردوغبار سے اٹے راستوں اور عمارتوں کے کھنڈروں کے درمیان وہ چلی جا رہی تھی۔ ایک شکستہ اور پریشان روح کی طرح۔ میں نے آج تک اتنی تھکی ہوئی دل شکستہ عورت نہیں دیکھی۔ میں نے ہاتھ ہلا کر بلند آواز سے کہا! ''فی امان اللہ بغداد کی نئی شہرزاد!'' (۳۴)

نیلوفر اقبال ایک پختہ افسانہ نگار ہیں۔ ان کا افسانہ اوپریشن مائیس (Operation-Mice) جہاں امریکہ کی عراق پر حملے کے پلاننگ کو عیاں کرتا ہے۔ وہیں

Scanned by CamScanner

اس افسانے میں نائن الیون کے تناظر میں مسلمانوں سے نفرت کی جھلک بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔

جنرل مرسی جو افسانے کا مرکزی کردار ہے۔ مسلمانوں سے حد سے زیادہ نفرت کرتا ہے۔

''اس کا دل اس نامعلوم عرب کے خلاف نفرت بھرے خوف سے بھر گیا جو چپکے سے اچانک

اپنے بل سے نکلتا ہے اور ان کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو تباہ کر دیتا ہے..................ان

کے پینٹا گون پر جہاں فرشتے بھی قدم دھرتے ڈرتے ہوں حملہ کر دیتا

ہے...........اور قدرت کی بے انصافی کہ دینا کی سب سے بڑے خزانوں پر بھی

قابض ہے۔''(۳۵)

جنرل مرسی یہاں اپنے کتے ''بلیئر'' سے اتنی محبت کرتا ہے کہ اس کی موت پر

اشک ریزی کرتا ہے وہاں وہ عرب کے مسلمانوں کو چوہے کہتا ہے۔ اور امریکا کی پالیسی کو

اپنی بیوی مارتھا کے ساتھ شیئر کرتا ہے۔ جو اس کو پینٹا گون سے ملتی ہے۔

''ہماری نگاہ وہاں ہوتی ہے۔ جہاں ہمیں پہنچنا ہے۔ ہوسکتا ہے ہم اس جنگ سے جو حاصل

کر لیں وہ دو ایک عمارتوں کے تباہ ہونے کے نقصان سے کئی سو گنا زیادہ ہو اور

دور س۔ ہماری آئندہ سو سالہ پلاننگ کا اہم حصہ۔''(۳۶)

اس افسانے میں امریکہ کی اس پالیسی کو پیش کیا گیا ہے جس کے مطابق وہ پوری

دُنیا کے وسائل پر قابض ہونا چاہتا ہے۔

پروین عاطف کا تحریر کردہ افسانہ ''End of Time'' افغان مہاجرین کی

مشکلات اور مسائل کو پیش کرتا ہے۔ جو افغان امریکہ جنگ کے دوران ان کو پیش آئیں۔

Scanned by CamScanner

فرید افغان ڈاکٹر، جو ہرات میں رہتا تھا۔ امریکی بمباری کی وجہ سے افغانستان چھوڑ کر ہجرت کرتا ہے۔ مگر چونکہ وہ ایک ڈاکٹر ہے اس لیے مہاجر کیمپ میں اپنے کام کا آغاز کرتا ہے۔ یہاں پر ایک مریضہ لائی جاتی ہے جس کا نام زلیخا ہے۔ زچگی کے دوران اس کا بچہ مر جاتا ہے۔ اس سے پہلے اس کا خاندان مر چکا ہے۔

فرید خان سے اس کو محبت ہو جاتی ہے۔

''مجھ سے شادی کر لو، زلیخا! ہماری محبت کی روشنی سے اس بھوکے ننگے درد سے کلبلاتے ہجوم میں زندگی کی رمق پیدا ہو گی۔ مل کر مزید زندگیاں بچا سکیں گے۔ ہم دونوں۔'' (۳۷)

مگر فرید خان شاید یہ بھول گیا۔ کہ جنگ کا کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ اور ایک دن دونوں بمباری سے مر گئے۔

''پھر وہی انمٹ لمحہ تھا، جب ایٹم کے زہر میں بجھی موت نے وقت کی گردن پر اپنا فولادی پنجہ ڈالا اور اسے گید کر رکھ دیا۔ نہ کہیں کسی ازل کا نشانہ رہا اور نہ ابد کا......'' (۳۸)

مشرف عالم ذوقی کا افسانہ ''الفتح لنا...... الفتح لنا'' بھی عراق امریکہ جنگ کے تناظر میں تحریر کیا گیا۔ افسانے کا آغاز چھوٹے بچے جبار کے گولیاں ڈھونڈنے سے ہوتا ہے۔ جبار کا باپ امریکہ کے خلاف جنگ میں برسرِ پیکار ہے۔ جنگ پر جانے سے پہلے وہ اپنی بیوی کو بتاتا ہے کہ اگر میں جنگ میں شہید ہو جاؤں تو میری جگہ پر میرے بڑے بیٹے

Scanned by CamScanner

کو لڑنے کے لئے بھیج دینا۔ کیوں کہ یہ جنگ کس ملک کے خلاف نہیں بلکہ اس کے اپنے ملک عراق کی حفاظت کے لئے لڑی جارہی ہے۔

ایک اقتباس درج ذیل ہے:

''سنو۔ کمزور مت بنو۔'' شوہر نے عورت کے ہاتھوں کو تھام کر اپنے سے قریب کرلیا تھا۔ میری بات غور سے سنو...... یہ جنگ ہم پر تھوپی گئی ہے۔ سن رہی ہونا۔ بچوں کو بھی بزدل مت بنانا۔ بڑا گیارہ سال کا ہے۔ میرے بعد، اسے بھی جنگ کے لیے تیار کر دینا۔ اپنی عزت کے لئے جنگ ضروری ہے۔............'' (۳۹)

یہاں اس افسانے میں عورت کی بزدلی، مرد کی ملک کی محبت میں جان نچھاور کرنے کا جذبہ دکھایا گیا وہاں چھوٹے بچوں کی نفسیات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ کسی بھی ملک یا قوم کے بچوں کی کسی سے دشمنی اور جنگ نہیں ہوتی۔ اگر ان کو کھیلنے کے لیے کینچ کی گولیاں نہیں ملتی ہیں۔ تو وہ گولوں سے کھیلنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کو اتنا بھی شعور نہیں ہوتا کہ یہ ہمارے نقصان کی چیزیں ہیں۔

ایک اقتباس دیکھیے۔

''ریپبلکن گارڈس کے آدمی چیخ چیخ کر بتانے کی کوشش کر رہے تھے...... دے...... دو......'' انہیں ڈی فیوز کرنا ہوگا............

'بچو...... یہ کھلونے نہیں ہیں............ بم ہیں............ بم بچوں...... پیارے بچو............ واپس آؤ۔'' (۴۰)

مگر یہ لوگ شاید بچوں کی نفسیات کو نہیں سمجھتے کہ ان کو کھیلنے کے لیے کچھ نہ کچھ

چاہئے۔ چاہے گولیاں ہوں یا گولے۔

عباس نے کہا ________ از جیلانی بانو

جیلانی بانو ایک پختہ کار افسانی نویس ہے ان کے اس افسانے میں ہمیں ایک

چونکا دینے والا انداز ملتا ہے یعنی وہ اس افسانے کو بریکنگ نیوز کے طور پر

دیکھاتی ہیں۔ایک ہندی ٹی وی چینل پر ہندی زبان میں سماچار کا آغاز

ہوتا ہے آغاز خبر سے لے کر آخر تک موضوع بحث عراق پر امریکی حملہ ہی رہتا

ہے، عراق کی تباہی و بربادی کی المناک تصویر کشی پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں

لے لیتی ہے اور رنجیدہ کر کے چھوڑتی ہے۔ جیلانی بانو کا قلم ہمیں کربلا کے

کارزار میں لے جاتا ہے دراصل اس افسانے کے سوتے انہوں نے کرب و بلا

میں ہونے والے معرکہ حق و باطل کے ساتھ جوڑے ہیں۔ عباس جو کہ اس

افسانے کا مرکزی کردار ہے کو حضرت عباس علیہ السلام کا جانباز دیکھایا گیا ہے

افسانہ کیا ہے؟

حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام ساتھ پیش آنے والے ظلم و ستم کا تسلسل ہے۔ وہی

Scanned by CamScanner

عراق ہے وہی دجلہ وفرات ہے، وہی نجف شریف ہے اور وہی کرب وبلا کی تپتی ہوئی ریت۔ اس میں بستے مظلوم عراقی ہیں جبکہ دنیا میں موجود یزید بش ابن زیاد کا کردار ادا کرنے والا ٹونی بلیئر اور یزیدی سپاہ ہے جو ہر طرح کے ہتھاروں اور طاقت سے مسلح لشکر ہے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی جاتی ہے۔ کلائمیکس اس جگہ ہوتا ہے جہاں ایک امریکی فوجی عراقی بچے عباس کو کہتا ہے کہ کوئی بات نہیں اگر تمہارے دونوں بازو کٹ گئے ہیں تو ہم نئے لگا دیں گے وہ جواب دیتا ہے۔ ”مجھے امریکہ کے ہاتھ نہیں چاہیے مجھے تو امریکہ سے لڑنا ہے عراق کے سپاہیوں کو پانی پلانا ہے“۔

حوالہ:۔ عباس نے کہا ”افسانہ“ از جیلانی بانو ”سہ ماہی آئندہ“

- مدیر:۔ محمود واجد، کراچی۔ اکتوبر 2004ء

☆☆☆☆☆

قیدی کی واپسی

یہ افسانہ ”اجمل کمال“ کا تحریر کردہ ہے۔ جس میں ایک قیدی کی واپسی کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ افسانے کی بُنت بڑی خوبصورت ہے۔ ایک عراقی فوجی جو عراق امریکا جنگ میں اتحادی افواج کے خلاف لڑتا ہوا قیدی بن جاتا ہے۔ تو دس برس کے بعد وہ اپنے گھر واپس آتا ہے۔ جہاں اس کا خاندان رہتا ہے اور جو یہ سمجھتا ہے کہ ان کا فرد جنگ میں شہید ہو چکا

Scanned by CamScanner

ہے۔جب وہ لوگ اس کو زندہ دیکھتے ہیں تو اس ہارے ہوئے آدمی کو اپنے خاندان کا فرد تسلیم کرنے سے انکار کردیتے ہیں۔

جب وہ اپنے بیٹوں کو دیکھتا ہے تو آہیں بھرتا ہے۔مگر اس کے بیٹے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے فوجی باپ کو نہیں دیکھا۔ہم تو اپنے شہید باپ کو جانتے ہیں۔کہانی کا ڈسکورس اپنے اندر بڑا گہرا جہانِ معنی رکھتا ہے۔مایوس شخص واپس میدانِ کارزار کی طرف پلٹ جاتا ہے مگر یہ کہانی اپنے بہت سے سوالات اٹھاتی ہے جو افسانہ نگار نے قاری کی ذہنیت پر چھوڑ دیئے ہیں۔

حوالہ: اردو جرائد قصے ''دہلی'' ماخوذ از عراقی کہانیاں

افسانہ نویس: اجمل کمال، کراچی: دنیازاد 2010

☆☆☆☆☆

Scanned by CamScanner

حوالہ جات

۱۔ڈاکٹر پروین اظہر؛ اردو میں مختصر افسانہ نگاری کی تنقید، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۰ء، ص ۳۱

۲۔محولہ بالا، ص ۳۱

۳۔محولا بالا، ص ۲۱

۴۔ڈاکٹر انور سدید؛ اُردو افسانے کی کروٹیں، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۹

۵۔محولا بالا، ص ۲۰

۶۔ڈاکٹر فوزیہ اسلم؛ اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء، ص ۱۳۲

۷۔محمد علی صدیقی؛ ترقی پسند ادب، محرکات ور جحانات، مشمولہ ترقی پسند ادب، پچاس سالہ سفر، مرتبین: پروفیسر عاشور کاظمی پروفیسر قمر رئیس، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۶۶ء

۸۔خلیل الرحمٰن اعظمی؛ اردو ادب میں ترقی پسند تحریک، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۷۲ء

۹۔سید وقار عظیم؛ داستان سے افسانے تک، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان ۲۰۰۰ء ص۔ن

۱۰۔ڈاکٹر فوزیہ اسلم؛ اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء، ص ۳۲۵

۱۱۔رشید امجد؛ نیا ادب، منڈی بہاءُالدین؛ تعمیر ملت پبلشرز ۱۹۴۹ء

۱۲۔ڈاکٹر فوزیہ اسلم؛ اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک، اسلام آباد: پورب اکادمی، ص ۳۳۷

۱۳۔محمد حمید شاہد؛ مرگ زار، کراچی: اکادمی بازیافت ۲۰۰۴ء ص ۶۱

۱۴۔محولہ بالا، ص ۷۹

Scanned by CamScanner

۱۵۔محولہ بالا، ص۸۲

۱۶۔امجد طفیل؛ محمد حمید شاہد کے افسانے، مشمولہ آفاق تدوین: قیوم طاہر، راولپنڈی کینٹ، ۲۰۰۴ء ص۵۲

۱۷۔ناصر عباس نیرؔ؛ مرگِ زار، یہ چند باتیں، مشمولہ آفاق تدوین: قیوم طاہر، راولپنڈی کینٹ، ۲۰۰۴ء ص۴۲

۱۸۔محمد حمید شاہد؛ مرگ زار، کراچی: اکادمی بازیافت ۲۰۰۴ء ص۱۰۲

۱۹۔ڈاکٹر نجیبہ عارف؛ مرگِ زار کے افسانے، مشمولہ آفاق تدوین: قیوم طاہر، راولپنڈی دسمبر ۲۰۰۴ء ص۶۵

۲۰۔ڈاکٹر شیر شاہ، دل ہی تو ہے، کراچی: شمرزاد، ۲۰۰۴ء ص۲۶۰

۲۲۔محولہ بالا، ص۲۶۶

۲۳۔محولہ بالا، ص۲۶۷

۲۴۔محولہ بالا، ص۲۷۴

۲۵۔مسعود مفتی؛ شناخت، مشمولہ فنون، مدیر: احمد ندیم قاسمی لاہور: اے مزنگ روڈ اپریل تا اگست ۲۰۰۲ء ص۱۱۷

۲۶۔محسنہ جیلانی؛ بکھرے ہوئے لوگ، لاہور: اکادمی بازیافت ۲۰۰۳ء ص۸۷

۲۷۔افتخار نسیم؛ پردیسی، مشمولہ فنون، مدیر: احمد ندیم قاسمی، لاہور: اے مزنگ روڈ۔ اپریل تا اگست ۲۰۰۲ء ص۱۵۶

۲۸۔محولہ بالا، ص۱۵۶

۲۹۔محمد سعید شیخ؛ کبرا، مشمولہ فنون، مدیر: احمد ندیم قاسمی، لاہور: اے مزنگ روڈ۔ مئی تا اکتوبر ۲۰۰۳ء ص۱۴۴

۳۰۔گلزار؛ دی سٹون ایج، مشمولہ فنون، مدیر: احمد ندیم قاسمی، لاہور: اے مزنگ روڈ۔ ستمبر تا

Scanned by CamScanner

دسمبر۲۰۰۴ءص۱۳۱

۳۱۔نیرّ اقبال علوی؛سلسلہ روزشب،لاہور:ملٹی میڈیاافیئرز۲۰۰۵ءص۳۰

۳۲۔محولہ بالا،ص۱۶۰

۳۳۔الطاف فاطمہ؛دیدوادید، مشمولہ فنون،مدیر:احمد ندیم قاسمی،لاہور:اے مزنگ روڈ۔نومبر تا دسمبر۲۰۰۳ءص۱۳۲

۳۴۔محولہ بالا،ص۳۴

۳۵۔نیلوفر اقبال؛اوپریشن مائیس،مشمولہ فنون،مدیر:احمد ندیم قاسمی،لاہور:اے مزنگ روڈ۔

جنوری تا اپریل ۲۰۰۳ءص۱۸۰

۳۶۔محولہ بالا،ص۱۸۱

۳۷۔پروین عاطف؛اینڈ آف ٹائم،مشمولہ فنون،مدیر:احمد ندیم قاسمی،لاہور:اے مزنگ روڈ۔

مئی تا اگست۲۰۰۴ءص۱۹۲

۳۸۔محولہ بالا،ص۱۹۲

۳۹مشرف عالم ذوقی؛الفتح لنا............الفتح لنا............،مشمولہ سخن،مدیر:ڈاکٹر سلیم ملک،لاہور:

مکتبہ جدید پریس،۲۰۰۳ءص۱۰۶

۴۰۔محولہ بالا،ص۱۰۸

Scanned by CamScanner

باب نمبر 3

نائن الیون کے اردو افسانے،

مزاحمتی ادب کے تناظر میں

مزاحمت کیا ہے؟

مزاحمت اپنے حقوق کے خلاف بلند کی جانے والی آواز ہے۔ انگریزی زبان میں اس کے مترادف (Protest) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں اسے احتجاج کا ہم معنی کہا جا سکتا ہے۔ جس کے لغوی معنی کسی بات کے خلاف دلیل پیش کرنا یا کسی بات کے خلاف سخت اعتراض کرنا۔ (۱)

اختلاف کا اظہار، حق کے خلاف اُٹھائی جانے والی آواز ہے (۲)

مزاحمت انسان کی سرشت میں شامل ہے۔ اس امر کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ بچہ جب پیدائش کے بعد یہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی بھی کام اس کی مرضی کے خلاف ہو رہا ہے تو وہ مزاحمت اور احتجاج کرتا ہے گویا مزاحمت سے مراد وہ ردعمل ہے جو پہلے سے موجود کسی تحریک یا نظام کے خلاف کیا گیا ہو۔

چاہے اس نظام کی حیثیت کچھ بھی ہو۔ معاشرہ کے تمام نظام اپنے اندر قدرے ظلم و جبر کے عناصر لئے ہوئے ہیں۔ یہ شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ کہ کوئی نظام یا تحریک خالص انصاف کے تقاضوں کو بھرپور انداز میں پورا کر سکے۔ لہٰذا مزاحمت کی روایت ہر معاشرے میں پنپتی ہے۔

بقول انور پاشا:

Scanned by CamScanner

"احتجاج یا مزاحمت زندگی کی علامت ہے۔ اور انسانی جبلت کا ایک بنیادی عنصر ہے۔ اس عنصر کو اگر خارج کر دیں۔ تو انسان کی حیثیت مٹی کے مادھو سے زیادہ نہیں رہ جاتی۔"(۳)

اس ضمن میں سراج اجملی لکھتے ہیں۔

"احتجاج ابن آدم کی سرشت میں شامل ہے...... احتجاج کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان براہ راست اپنی ناپسندیدگی کو ظاہر کرنے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے۔ لیکن یہ صورت عارضی ہے۔ اس کے مقابلے میں تحریری شکل میں صفحۂ قرطاس پر آ جانے والا احتجاج دیر تک اپنی یاد دلاتا ہے۔"

حکمرانوں کے غیر جمہوری رویے بھی عوام کو مزاحمت پر آمادہ کرتے ہیں۔ کیوں کہ اکثر اوقات حکمران برسر اقتدار آنے کے بعد عوام کے مفاد کو اور ان کے حقوق کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ عوام پر اظہار آزادی رائے کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور ان کے حقوق کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ نتیجتاً عوام ایسے حکمرانوں کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر قیام پاکستان کے بعد اسلامی مملکت میں مختلف ادوار میں لگنے والے مارشل لاء کے خلاف عوامی مزاحمت ہوتی رہی۔ صدر ایوب کے دور میں بغاوت کی جو تحریک چلی تھی۔ وہ سیاسی نوع کی مزاحمت تھی۔ اسی طرح صدر یحییٰ اور ضیاء کے دور میں بھی عوام نے صدائے احتجاج بلند کی۔ اور اب صدر پرویز مشرف نے افتخار محمد چوہدری (چیف جسٹس آف پاکستان) کے خلاف ریفرنس دائر کیا تو عوام کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر ۲۰ جولائی کو فل کورٹ کے تیرہ جج حضرات نے ان کے حق میں فیصلہ دے کر ان کو بحال کر دیا۔

اردو میں ادبی سطح پر بھی بعض ایسی تحریکیں نمود کرتی نظر آتی ہیں۔ جن میں مزاحمتی

Scanned by CamScanner

عناصر موجود رہے ہیں۔ان تحریکوں میں سب سے پہلے سرسید کی علی گڑھ کا ذکر آتا ہے۔
سرسید نے اس تحریک کے ذریعے مسلمانوں کا شعور بے دار کیا۔مسلمانوں کو انگریزی زبان
کی اہمیت کا احساس دلایا۔کہ اگر ان کو مختلف شعبۂ زندگی میں ترقی کرنی ہے۔تو انگریزی
زبان کو پڑھنا ہوگا۔تاکہ ان کا مستقبل تاب ناک ہو سکے۔اس کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم
کو بھی جاننا ہوگا۔

ادبی حوالے سے سرسید احمد خان کی تحریک کی بڑی اہمیت ہے۔سرسید نے اس
تحریک کے ذریعے مسلمانوں کی نمائندگی کی۔انگریز حکمران کا غصہ ٹھنڈا کیا۔اور ''رسالہ
اسباب بغاوت ہند'' کے ذریعے ان کے شک وشبہات دور کیں۔یہ تحریک، اجتماعی مزاحمت
کی شکل اختیار کر گئی۔اور اس میں ان کے رفقا بھی شامل ہو گئے۔جن میں مولانا الطاف
حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا محمد حسین آزاد وغیرہ شامل ہیں۔ان احباب نے بھی
مزاحمت کی وہی راہ اختیار کی۔جو سرسید احمد خان کی تھی اور مسلمانوں کی اصلاح وترقی کے
لیے مضامین تحریر کیے۔نظمیں لکھیں۔ان کو عظمت رفتہ کی یاد دلائی تاکہ وہ دوبارہ کھویا ہوا
مقام حاصل کر سکیں۔

بیسویں صدی کی بڑی تحریکوں میں ایک رومانوی تحریک شمار کی جاتی ہے۔
رومانوی تحریک بھی مزاحمت کا نتیجہ ہے۔اس تحریک سے وابستہ افسانہ نگاروں نے ایسے
افسانے تحریر کیے۔جس میں رومانیت، قنوطیت، مایوسی، فراریت، اور خوف کی فضا تھی۔
رومانوی تحریک میں شامل افسانہ نگاروں میں سید سجاد حیدر یلدرم، مہدی افادی، سجاد
انصاری، نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھپوری، قاضی عبدالغفار اور رومانی تحریک کی آخری آواز
میسرز ادیب شامل ہیں۔ان افسانہ نگاروں نے اردو ادب میں تخیلاتی اور مثالی رجحان کی
ترویج کی۔

Scanned by CamScanner

ترقی پسند تحریک بھی ادیبوں اور شاعروں کی طرف سے مزاحمت کی ایک زوردار مثال ہے۔ ان لوگوں نے ادب میں زندگی کی ترجمانی کی۔ لوگوں کے تمام حقوق دلانے کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں کوثر مظہری رقم طراز ہیں۔

"ترقی پسند تحریک استحصال اور جبر کے خلاف احتجاج کی آواز تھی۔ اس تحریک سے وابستہ شاعروں اور ادیبوں نے اپنی تخلیقی قوتوں کو بروئے کار لا کر شعر و ادب کے افق پر نئے چاند لگائے۔" (۵)

ترقی پسند تحریک میں سجاد ظہیر کا نام سرفہرست ہے۔ اس تحریک کا عروج ان کی تنظیمی صلاحیتوں کا مرہونِ منت ہے۔ ترقی پسند تحریک میں شامل افسانہ نگاروں میں پریم چند، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، اوپندر ناتھ اشک، حیات اللہ انصاری اور احمد ندیم قاسمی وغیرہ نے ایسے افسانے تحریر کیے جن میں انسانی عظمت اور محنت کو بلند مقام عطا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ترقی پسند افسانے کی روایت کا رشتہ براہِ راست پریم چند کی حقیقت نگاری سے وابستہ ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۸ء تک غیر مستحکم نظام اور طبقاتی تقسیم کی خرابیوں نے پاکستانی معاشرے کو کئی سماجی، سیاسی اور فکری بحرانوں سے دوچار کیا۔

۱۹۵۸ء میں پہلا مارشل لاء لگا۔ لیکن اس نے ابتر معاشرے کو سنبھالا دینے کی بجائے مزید کھوکھلا کیا اور ایک بڑی سیاسی و فکری خلا پیدا ہو گیا جو انحراف و احتجاج اور ردِ عمل و مزاحمت سے ہی عبارت ہے۔ ۱۹۶۰ء کے آس پاس قراۃ العین حیدر کا یہ جملہ سامنے آیا۔

"باغی ہونا اور روایت کو ساتھ لے کر چلنا۔ ان دو حصاروں سے ہی ادب پنپتا ہے۔" (۶) گویا ادیب کی یہ خاصیت ہے کہ وہ احتجاج و مزاحمت اور سرکشی کو اختیار کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کا یہ انداز براہ راست نہیں ہوتا بلکہ بالواسطہ طریقے سے ہوتا ہے۔

Scanned by CamScanner

شاعر اور ادیب موجود صورت حال کے خلاف احتجاج اور مزاحمت کو رمز و کنائے اور تشبیہہ واستعارہ، تمثیل وعلامت کے پیکروں میں بیان کرتا ہے۔

یوں بھی ہوتا ہے کہ ادیب اپنی بات کو مؤثر بنانے کے لیے طنز وظرافت سے کام لیتا ہے۔ اور اساطیری قصے کہانیاں، حکایتوں اور حیوانوں، پرندوں کے افسانوں میں بھی اپنے عہد کے سماجی نظام کے خلاف مزاحمت کا شدید اظہار کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مزاحمت کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ جبر کی۔ ادب میں مزاحمت کی اتنی ہی صورتیں دیکھی جاسکتی ہیں جتنی شکلیں جبر واستبداد کی ہیں۔

اس ضمن میں ابرار احمد رقم طراز ہیں۔

''ادب تخلیق کرنا۔ بذات خود ایک مزاحمتی عمل ہے۔ کیونکہ ادیب اپنے گرد وپیش سے Conform نہیں کر پاتا اور اس کش مکش کی بنیاد پر ادب تخلیق کرتا ہے۔ ایک طرح سے تو سارا ادب مزاحمتی ادب ہے اور ہم ادیب باغی۔'' (۷)

Scanned by CamScanner

نائن الیون کے اردو افسانے

مزاحمتی ادب کا حصہ

نائن الیون کے اردو افسانے چونکہ مزاحمتی ادب کا حصہ ہیں۔ اور ایک ایسے واقعہ کے زیر اثر تحریک کیئے گئے ہیں۔ جس نے ساری دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ اس لئے مزاحمتی افسانے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی ایک ایسے ردعمل کا نتیجہ ہیں۔ جو اچانک رونما ہوا اور اس نے ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ایک عام شخص سے لے کر ایک حساس دل رکھنے والے پڑھے لکھے آدمی تک سب اس واقعہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ اس کے اثرات کسی کی زندگی پر کم پڑے کسی کی زندگی پر زیادہ مگر پڑے ضرور ہیں۔

ایسا ناقابل فراموش واقعہ دنیا کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔ چونکہ واقعہ ایک ایسے وقت میں ہوا جب ساری کی ساری دنیا گلوبل ویلیج بن چکی ہے۔ اس لئے اردو ادب کے بہت سے ادیبوں نے اس واقعہ سے متعلق افسانے قلم بند کیئے۔ بہر حال اس چھ سال کے عرصے میں اس موضوع سے متعلق بہت سے افسانے اور نظمیں ہمارے سامنے آ چکی ہیں۔ کچھ پڑھنے والے ان افسانوں سے مطمئن ہیں۔ چونکہ ان افسانوں میں جو موضوعات جھلکتے ہیں۔ ان میں دہشت گردی، جہاد، ثقافتی و مذہبی شناخت اور افغانستان امریکا، عراق امریکا جنگ شامل ہے۔

Scanned by CamScanner

یہ ایسے موضوعات ہیں۔ جونائن الیون کے گرد گردش کرتے نظر آتے ہیں۔ بعض احباب کو شکایت ہے کہ اس میں ادیب کوئی واضح نقطۂ نظر اختیار نہیں کر سکے۔ لوگوں کی پسند اور ناپسند ایک الگ بحث ہے۔ اصل میں جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ افسانے یا اس واقعہ سے متعلق تحریر کردہ ادب، ادب کا حصہ ہے یا نہیں۔

اس بحث پر روشنی ڈالنے سے پہلے اگر ہم مزاحمتی ادب کا مختصر جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ مزاحمتی ادب کو نہ صرف ادیبوں نے ادب میں جگہ دی بلکہ ادبی محفلوں میں زیر بحث رہا بلکہ اس نے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو متاثر کیا۔ ان کے قلب کو گرمایا ان کے زورِ بازو میں ایسی صلاحیت پیدا کی جو احتجاج میں شدت اختیار کر گئی اور مزاحمت کی وجہ سے کوئی بھی تحریک کام یاب ہوئی یا نظام بدلا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ہر عہد کا ادیب اپنے زمانے کے جبر، رواں نظام کی بے چینی نیز عوام کی بے بسی سے بے چین ہو کر قلم اٹھاتا ہے۔ اور کوشش کرتا ہے کہ اس درد کو جو اس کے عہد نے اسے دیا۔ صفحہ قرطاس پر کچھ اس طرح سے قلم بند کرے کہ اس کی آواز ہر عہد کی آواز میں شامل ہو سکے۔ اگر وہ اپنے اس مقصد میں کام یاب ہوتا ہے تو اچھا ادب ظہور میں آتا ہے ورنہ ادب کو نعرہ میں بدلتے دیر نہیں لگتی۔

اس سلسلہ میں محمد حسن عسکری رقم طراز ہیں:

"مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اگر ایسے حادثات ادب کا موضوع نہ ہوں تو اس پر ادیبوں کو لکھنا ہی نہ چاہئے، ادیب ہر وقت ادب ہی تو پیدا نہیں کرتے رہتے ان کی ذمہ داریاں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک ادیب کی حیثیت سے، دوسری ایک جماعت کے فرد کی حیثیت سے اس میں شک نہیں کہ ادیب کی پہلی ذمہ داری اس کی اولین ذمہ داری ہے۔" (۸)

احتجاج اور مزاحمت کی آواز ہر عہد اور ہر ادیب کے یہاں ملتی ہے۔ دنیا میں تبدیلی ایک مستقل عمل ہے۔اس کی رفتار کبھی تیز اور کبھی سست ہو سکتی ہے مگر غیر معمولی واقعہ دنیا کو تیزی سے بدل دیتا ہے۔ جیسے نائن الیون کا واقعہ، ایک غیر معمولی سیاسی واقعہ ہے جس نے عالمی سیاست کا رخ بدل کے رکھ دیا۔

بقول ناصر عباس نیر:

''بیسوی صدی کی عالمی جنگیں اور اکیسویں صدی میں امریکہ افغانستان اور امریکا۔عراق جنگ بھی غیر معمولی واقعات ہیں۔ جو نائن الیون کے غیر معمولی واقعات کا نتیجہ ہیں۔''(۹)

دنیا میں ہونے والی غیر معمولی تبدیلی کے سب سے گہرے اثرات بھی ادیب پر پڑتے ہیں۔ جو حساس ہوتا ہے۔ باہر ہونے والی تبدیلی کو اپنے جسم میں محسوس کرتا ہے۔اور اندرونی کش مکش کو کاغذ پر رقم کر دیتا ہے، نائن الیون کے واقعہ کو بھی یہاں تمام دنیا کے ادیبوں اور شاعروں نے ادب میں جگہ دی وہاں پاکستان کے ادیبوں نے بھی اس غیر معمولی واقعہ پر ادب تخلیق کیا، افسانے تحریر کیے۔

اس سلسلے میں ان افسانہ نگاروں کے افسانے بطور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں۔ جنھوں نے مزاحمتی ادب کے تناظر میں افسانے لکھے ہیں۔

محمد حمید شاہد کے افسانے ''لوتھ'' کو ہی دیکھ لیا جائے۔ ''لوتھ'' کیا ہے۔ بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ چیز سامنے آتی ہے کہ ایک جیتے جاگتے انسان کے اندر سے ڈھلے جانے کے عمل کی نقش گری ہے۔

افسانہ ''گانٹھ'' کی صورت حال اس سے زیادہ مختلف نہیں۔ایک نئے سرے سے جنم لینے والے انسان کی کہانی ہے۔ جو روشن خیالی اور رنگین اشتہارات کی وجہ سے اپنی شناخت بدل لیتا ہے۔توصیف سے طاوٴس بن جاتا ہے۔لیکن گیارہ ستمبر کے بعد مسلمان ہونے

Scanned by CamScanner

کی وجہ سے مشتبہہ قرار دے کر ڈی پورٹ کر دیا جاتا ہے۔ جس پر توصیف مزاحمت کرتا ہے۔

بقول علی محمد فرشی:

""گانٹھ"" میں اس نے گوگول کے افسانے کی تفہیم اور چیدہ چیدہ مناظر کو کہانی کے موضوعاتی فریم میں اس فنی سلیقے کے ساتھ پینٹ کیا ہے کہ یہ واقعہ اپنی تمام تر عصری صداقتوں پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہوا۔ خیر و شر کے دائمی معیار تک جا پہنچتا ہے۔"(۱۰)

ان افسانوں کے علاوہ محمد حمید شاہد کے افسانے ""سورگ میں سؤر"" اور ""مرگ زار"" بھی مزاحمتی ادب کے تناظر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

""سورگ میں سؤر"" افسانے میں محمد حمید شاہد کی علامتوں اور استعاروں میں استعمال کردہ زبان دراصل مزاحمت اور احتجاج کی وہ مدہم لے ہے جو قاری کو دیر تک متاثر کرتی ہے۔

گلزار کا افسانہ ""دی سٹون ایج"" بھی احتجاج اور مزاحمت کی آواز بن جاتا ہے۔ جس میں امریکا۔ افغانستان جنگ اپنے عروج پر ہے۔ اور امریکہ شدید بم باری کر کے افغانستان کو حقیقتاً پتھر کے زمانے میں دھکیل دیتا ہے۔

نیئر اقبال علوی نے ""کنارِ دجلہ"" افسانہ داستان کے انداز میں لکھا ہے۔ اور سانحۂ کربلا سے ناطہ جوڑا ہے۔ تاریخ کی تاریک راہ داریوں میں اس کے کردار اپنی بقا کی جنگ لڑتے ہیں۔ لیکن اس کا لہجہ دھیما ہے وہ کہیں بھی بلند آہنگ نہیں ہوتا۔

""سورج ڈوبنے کے ساتھ ہی اہل بغداد کے دل بھی ڈوب گئے۔ یزید نے تو سورج غروب ہونے تک آل نبی کو تہ تیغ کر کے اپنے منہ پر کالک اور تا حشر اپنے نام کے ساتھ رسوائی لکھوالی تھی، جب کہ اس کے برعکس اکیسویں صدی کا یزید بزدلوں کی طرح آج عراق پر شب خون مارنے کے لیے پر تول رہا تھا۔"(۱۱)

Scanned by CamScanner

نیرؔ اقبال علوی کے دوسرے افسانے ''زندانِ ابوغریب'' میں سیاسی وسماجی جبر اور استحصال قوت کے خلاف مزاحمت کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔اس افسانے میں شدید غصہ اور کرب بیک وقت سانس، لیتے دکھائی دیتے ہیں۔

''اپنی استبدادی اور مکارانہ روش سے باز آجاؤ، ورنہ تم سے بہت زیادہ طاقت ور انصاف پسند ایک اور ہستی جو تمام جہانوں کی مالک اور کائنات کی خالق ہے۔اس کی فطرت جب جوش میں آئی تو تم سے قبل بڑی بڑی تہذیبوں کا جو حشر ہوا وہی تمہارا بھی ہوا ہوگا۔'' (۱۲)

مسعود مفتی کا افسانہ ''شناخت'' ایک ایسے شخص کا احتجاج ہے۔ جس کی مغربی معاشرے میں شناخت اور آزادی ختم ہوگئی ہے۔شناخت جو انسان کی پہچان ہے۔ پھر اسے حیرت ہوتی ہے کہ وہ ابھی تک اپنے آپ کو نہیں پہچان سکا۔

شیر شاہ سید کا افسانہ ''نائن الیون'' معاشرے کے مختلف افراد کی بے حسی کو موضوع بناتا ہے۔ جو نائن الیون کو اپنے اپنے انداز سے دیکھ کر یہ اندازہ لگا رہے ہیں۔ کہ واقعہ سے زیادہ نقصان امریکا کا ہوا یا مسلمانوں کا۔

محسنہ جیلانی کا تحریر کردہ افسانہ ''عراق عراق'' ایک ایسی عورت کا کرب اور ملال ہے۔ جس کا عراق امریکہ جنگ میں کچھ نہیں بچا۔ یہ افسانہ نہیں بلکہ جلتا ہوا عراق ہے۔ جس کی فضا میں بارود کی بو ہے۔ جس میں رہنے والے انسان مرگئے، مگر درندے زندہ ہے۔ یہ ایک عورت کا احتجاج ہے۔

افتخار نسیم کا ''پردیسی'' ایک ایسے شخص کی کتھا ہے۔ جو ۱۹۴۷ء میں بٹوارے کے وقت پاکستان میں آجاتا ہے۔ اور یہاں سے امریکہ چلا جاتا ہے۔ مگر نائن الیون کے واقعے کے بعد اس کو ڈی پورٹ کر دیا جاتا ہے۔ چوں کہ پاکستان میں اس کا کچھ نہیں ہوتا۔ اس

Scanned by CamScanner

لیے پردیسی اس کی شناخت ٹھہرتی ہے۔ یہ ایک ایسے آدمی کا احتجاج ہے جس کا کوئی دیس نہیں۔ وہ اپنے دیس میں بھی پردیسی ہے اور سات سمندر پار بھی۔

مشرف عالم ذوقی کا افسانہ "الفتح لنا" ایک عراقی محبّ وطن کی امریکہ کے خلاف مزاحمت کی کہانی ہے۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ یہ جنگ ان پر مسلط کی گئی ہے۔

محمد سعید شیخ کا "کُبڑا" احساس ندامت سے جھکی کمر والے شخص کا افسانہ ہے۔ جو اس بات پر احتجاج کر رہا ہے کہ ظلم کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھاتا۔ یہ افسانہ مزاحمت کی ایک زور دار مثال ہے۔ ان افسانوں کے علاوہ الطاف فاطمہ کا "دید وادید" اور پروین عاطف کا "اینڈ آف ٹائم" ایسے افسانے ہیں۔ جن میں احتجاج اور مزاحمت کی آواز اپنا جادو جگاتی نظر آتی ہے۔ یہ مزاحمت چاہے سیاسی و سماجی قوت کے خلاف ہو یا استحصال کے خلاف، آزادی کے لئے ہو یا جبر کی قوتوں کے خلاف اس کے زیر اثر لکھا جانے والا ادب، اردو ادب کا حصہ ہے، مزاحمتی ادب کو عام طور پر ادب عالیہ میں شمار نہیں کیا جاتا۔ اور اسے ہنگامی یا وقتی ادب قرار دیا جاتا ہے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ازلی ابدی حقیقتوں پر نگاہ رکھنے والا اپنے اردگرد موجود حقیقت سے کس طرح چشم پوشی کر سکتا ہے۔ ایک ادیب جب اپنے اردگرد ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹتے دیکھتا ہے تو چوٹ اپنے دل پر محسوس کرتا ہے۔ یہ چوٹ اس کو جنجھوڑتی ہے۔ بالآخر وہ اس زخم کو صفحہ قرطاس پر رقم کر دیتا ہے۔ "روح عصر" کو سمجھے اور اس کے ساتھ چلے بغیر کوئی بھی ادب حقیقی ادب نہیں کہلا سکتا۔ موجود سے انکار بذات خود ایک ایسا جرم ہے جو باشعور، باضمیر اور ذمہ دار ادیب سے سرزد نہیں ہو سکتا۔ غرض مزاحمتی ادب نے سخت حالات میں بھی اپنا چراغ روشن رکھا ہے۔ اور ادب کا حصہ بن کر اردو ادب کے دامن کو اور وسعت دی ہے۔ جس پر اردو ادب و زبان فخر کر سکتی ہے۔

Scanned by CamScanner

حوالہ جات

۱۔ جدید اردو لغت، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۰ء ص ۹

۲۔ علمی اردو لغت، لاہور: علمی کتاب خانہ، ۱۹۸۳ء ص ۸۱

۳۔ انور پاشا؛ اردو ناول: ۱۹۶۰ تا حال'' مشمولہ اردو ادب احتجاج اور مزاحمت کے رویے
مرتبہ، ارتضی کریم ۲۰۰۴ء ص ۱۶۶

۴۔ سراج اجملی ؛'' پریم چند کی منفرد آواز'' محولہ بالا ص ۱۲۶

۵۔ کوثر مظہری؛'' سردار جعفری کی منفرد آواز'' محولا بالا ص ۱۵۱

۶۔ قدوس جاوید؛'' اردو افسانہ ۱۹۶۰ تا ۱۹۸۰'' محولہ بالا ص ۳۲۱

۷۔ ابرار احمد؛'' مزاحمتی ادب'' محولہ بالا ص ۶۵

۸۔ محمد حسن عسکری؛ مجموعہ حسن عسکری، لاہور: سنگ میل پبلشرز، ۱۹۹۴ء ص ۱۳۱

۹۔ ناصر عباس نیرؔ؛ جدید اور مابعد جدید تنقید، کراچی: انجمن ترقی اردو ۲۰۰۶ء ص ۲۶۹

۱۰۔ علمی محمد فرشی؛ ''حمید شاہد'' مرگ زار میں'' مشمولہ آفاقی، تدوین، قیوم طاہر، راولپنڈی
۲۰۰۴ء ص ۳۴

۱۱۔ نیر اقبال علوی؛ سلسلہ روز شب، لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۰۵ء، ص ۲۷

۱۲۔ نیر اقبال علوی؛ محولہ بالا، ص ۱۳۵

Scanned by CamScanner

کتابیات

۱۔ارتضی کریم (ڈاکٹر): اردو ادب، احتجاج اور مزاحمت کے رویے، دہلی: اردو اکادمی، ۲۰۰۴ء

۲۔انور سدید (ڈاکٹر): اردو افسانے کی کروٹیں، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۱ء

۳۔انور سدید (ڈاکٹر): اردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۴ء

۴۔پرویز مشرف: سب سے پہلے پاکستان، لاہور: فیروز سنز، ۲۰۰۶ء

۵۔پروین اظہر (ڈاکٹر): اردو میں مختصر افسانہ نگاری کی تنقید، علی گڑھ: ایجوکیشنل ہاؤس، ۲۰۰۰ء

۶۔خلیل الرحمٰن اعظمی: اردو ادب میں ترقی پسند تحریک، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۷۲ء

۷۔رشید امجد: مزاحمتی ادب اردو، اسلام آباد: اکادمی بازیافت، ۱۹۹۵ء

۸۔رشید امجد: نیا ادب، منڈی بہاؤالدین: تعمیر ملت پبلشرز، ۱۹۶۹ء

۹۔شیر شاہ سید: دل ہی تو ہے (افسانے) کراچی: شہرزاد، ۲۰۰۴ء

۱۰۔طارق اسمٰعیل ساگر: اور امریکہ لرز اٹھا، لاہور: ساگر پبلشرز، ۲۰۰۱ء

۱۱۔فوزیہ اسلم: اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء

۱۲۔مسحنہ جیلانی: بکھرے ہوئے لوگ (افسانے) لاہور: اکادمی بازیافت، ۲۰۰۳ء

Scanned by CamScanner

۱۳۔ محمد حمید شاہد: مرگ زار (افسانے) کراچی: اکادمی بازیافت ۲۰۰۴ء

۱۴۔ محمد صالح مغل: امریکہ کا زوال، لاہور: دار الحقائق، ۲۰۰۴ء

۱۵۔ محمد حسن عسکری: مجموعہ حسن عسکری، لاہور: سنگ میل ۱۹۹۴ء

۱۶۔ مرتضٰی انجم: امریکہ ٹوٹ جائے گا، لاہور: فاتح پبلشرز، ۲۰۰۱ء

۱۷۔ ناصر عباس نیئر: جدید اور مابعد جدید تنقید، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۶ء

۱۸۔ نیلم احمد بشیر: ستمگر ستمبر، لاہور: الفیصل پبلشرز، ۲۰۰۳ء

۱۹۔ نیر اقبال علوی: سلسلہ زور وشب (افسانے) لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۰۵ء

۲۰۔ وقار عظیم: داستان سے افسانے تک، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۰ء

رسائل و جرائد (ادبیاتِ اردو)

۱۔ ''آفاق'' ....، راولپنڈی کینٹ، دسمبر ۲۰۰۴ء

۲۔ ''دنیازاد'' دنیا دہشت دہشت، کراچی: شہرزاد، شمارہ نمبر ۶، مئی ۲۰۰۲ء

۳۔ ''دنیازاد'' میں بغداد ہوں، کراچی: شہرزاد، شمارہ نمبر ۱۵، مئی ۲۰۰۲ء

۴۔ ''سخن'' ....لاہور: مکتبہ جدید پریس، ۲۰۰۳ء

۵۔ ''فنون'' (سہ ماہی) لاہور: اے مزنگ روڈ، اپریل۔ اگست ۲۰۰۲ء

۶۔ محولہ بالا، جنوری۔ اپریل، ۲۰۰۳ء

۷۔ محولہ بالا مئی۔ اکتوبر، ۲۰۰۳ء

۸۔ محولہ بالا، نومبر۔ دسمبر، ۲۰۰۳ء

Scanned by CamScanner

۹۔ محولہ بالا، مئی۔ اگست، ۲۰۰۴ء

۱۰۔ محولہ بالا، ستمبر۔ دسمبر، ۲۰۰۴ء

۱۱۔ مکالمہ..... کراچی: اکادمی بازیافت، جنوری تا جون ۲۰۰۵ء

ABDULLAH ATEEQ

Scanned by CamScanner

ہمارا واٹس ایپ گروپ جس کے منتظمین کے نمبر زیل میں ہیں

آپ ہمارے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں تا کہ مزید اس طرح کی شان دار کتب تک آپ کی رسائی ہو سکے

ہمارے واٹس ایپ گروپ میں شامل ہونے کے لیے

محمد ذولقرنین حیدر03123050300

پروفیسر سدرہ ریاض صاحبہ03340120123

محمد ثاقب ریاض03447227224

Scanned by CamScanner

قلمی نام: محمد ساجد

تعلیمی قابلیت:

ایم اے اردو، (درجہ اول)، ایم اے ایجوکیشن (درجہ اول)

ایم اے تاریخ، بی ایڈ (درجہ اول)۔

اعزازات:

بیسٹ رائٹر ایوارڈ (9/11 تحقیق) (6 ستمبر 2015)

تخلیقی ایوارڈ بطور چیف ایڈیٹر، مجلّہ رباط۔ (6 جنوری 2016)

ایکسلینس ایوارڈ بطور چیف ایڈیٹر، مجلّہ رباط۔ (14 فروری 2016)

حسن کارکردگی ایوارڈ بطور سپورٹس کوچ (16 مئی 2016)

تصنیفات:

نائن الیون۔ (تحقیق)

شہر دل میں آوارگی۔ (نظمیں)

محبت، موسم اور جاناں۔ (شاعری)

لاہور میں محبت۔ (ناول)

تاریخ کاہنہ۔ (تاریخ)

تاریخ پانڈوکی۔ (تاریخ)

Scanned by CamScanner